ماہنامہ دلیلِ راہ لاہور

مئی 2024ء - شوال/ذیقعدہ 1445ھ

حسبنا اللہ ونعم الوکیل

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 05 | مئی 2024ء | جلد 32

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ من در بزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	سعید احمد بدر	04
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	05
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	11
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد خان	14
5	محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	علامہ احمد سعید کاظمی	18
6	روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری	ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری	23
7	اسلام میں عبادت کی اہمیت و اجر و ثواب	صاحبزادہ ذیشان کلیم معصومی	25
8	آیئے! نماز کی طرف	ملک محبوب الرسول قادری	26
9	سنابلِ نور	سید ریاض حسین شاہ	28
10	حضرت امام علی رضا علیہ السلام	ڈاکٹر منظور حسین اختر	29
11	کھلا ہے جھوٹ کا بازار، آؤ سچ بولیں	علامہ محمد ارشد	31
12	اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی	آصف بلال آصف	34
13	خود احتسابی	ماسٹر احسان الٰہی	36
14	پائیدار ترقی کے اہداف اور اسلام	محمد صدیق	37

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف • شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

500 روپے

جازکیش، ایزی پیسہ

0323-8400651

بیرون ملک سالانہ

200 ڈالر، 100 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 0322-4301986, 042-35838038

ہیڈ آفس : ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

دربارِ مدینہ

صد شُکر کہ پہنچا ہوں بہ دربارِ مدینہ
دیکھے ہیں مری آنکھ نے انوار مدینہ

میں درد و غم و رنج کا مارا ہوا انساں
قدموں میں بٹھا لیجیے ! سرکار مدینہ

وہ مشرق و مغرب میں سرافراز ہوا ہے
اپنائے ہیں جس شخص نے افکارِ مدینہ

اُس شخص کی قسمت کا ستارا ہے درخشاں
پاس اپنے بُلائیں جسے سرکارِ مدینہ

اسلام کی آغوش میں آتا ہے بالآخر
جس شخص پہ کھل جاتے ہیں اسرارِ مدینہ

مظلوم ہیں ، مجبور ہیں جو لوگ جہاں میں
ان کے لیے غم خوار ہیں ، غم خوارِ مدینہ

آفات کو جب حکم دیا سرور دیں نے
تو بھاگ گئے ڈر کے سب اسرار مدینہ

شیطان سے بدتر ہیں وہ مردود سراسر
کرتے ہیں جو انکار ، آثار مدینہ

اُس کرہ ارض کا ملے گا تمہیں مرکز
لو بدر ذرا ہاتھ میں پُرکارِ مدینہ

سعید احمد بدر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احیائے دین یا احیائے نفس

عالم اسلام میں احیائے دین اور تجدید کے ہنگامے زوروں پر ہیں۔اس موقع پر یہ سوچ ہرگز فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ فیصلہ کرلیا جائے کہ اسلام مردہ ہے؟ یا اُمت مسلمہ؟ تجدید اور احیاء کی ضرورت ظاہر ہے وہاں ہوگی جہاں زندگی کی حرارت نہ ہوگی اور جمود و زہول نے حرکت و کار کو معطل کر دیا ہوگا۔۔۔۔۔شاید ہماری اس بحث سے ناگواری بھی جنم لے لیکن غور و فکر کر لینے میں آخر قباحت کیا ہے؟۔۔۔۔۔

اسلام ایک ٹھوس نظریہ ہے۔۔۔۔۔زندگی کی ایک محکم اساس ہے عمل کا ایک مضبوط لائحہ ہے۔۔۔۔۔انقلاب کی ایک مؤثر تحریک ہے۔۔۔۔۔تعمیر کا ایک حرکی ذریعہ ہے اور فطرت کی ایک اٹل دعوت ہے۔۔۔۔۔زندگی اسلام سے عبارت ہے۔۔۔۔۔حیات اس کی عطا ہے۔۔۔۔۔حرارت اس کا فیضان ہے۔۔۔۔۔حسن اس کی بہار ہے۔۔۔۔۔لطافت اس کی عادت ہے۔۔۔۔۔توازن اس کی معرفت ہے۔۔۔۔۔تناسب اس کی جھلک ہے۔۔۔۔۔نور اس کا رنگ ہے۔۔۔۔۔امن اس کی پہچان ہے۔۔۔۔۔امانت اس کی برہان ہے۔۔۔۔۔سلامتی اس کی عادت ہے۔۔۔۔۔سکون اس کا منشور ہے۔۔۔۔۔اس سے بنا جا سکتا ہے لیکن اسے بنایا نہیں جا سکتا۔۔۔۔۔اس سے زندہ ہوا جا سکتا ہے لیکن اسے زندہ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔۔سچائیاں نہیں مرا کرتیں، سچائیاں قبول نہ کرنے والے دماغ مردہ ہوا کرتے ہیں۔۔۔۔۔اسلام نہ صرف زندہ ہے بلکہ زندگی نواز بھی ہے۔۔۔۔۔یہ نہ صرف موجود ہے بلکہ وجود بخش بھی ہے۔۔۔۔۔کائنات کی کنہ اور وجود کے ہر رنگ میں اس کا فیضان بٹ رہا ہے۔۔۔۔۔ہاں یہ ضرور ہے کہ زندہ اسلام کو ماننے والے مردہ مسلمان حقیقتاً مرکز ملت سے ہٹ چکے ہیں۔۔۔۔۔آج حالت یہ ہے کہ۔۔۔۔۔لوگ سوچتے ہیں لیکن اس لیے نہیں کہ انسانی سطح پر کوئی اصلاحی انقلاب بپا ہو بلکہ اس لیے کہ لوگ انہیں مفکر کہیں۔۔۔۔۔تنظیمیں بنتی ہیں لیکن اس لیے نہیں

کہ ملی سطح پر نظم وضبط سے قوم کا مقدر جاگ اٹھے بلکہ اس کہ شہرت کے جذبوں کو تسکین حاصل ہو۔۔۔۔۔وعظ وتدریس اور تفسیر وحدیث کے جام لٹتے ہیں لیکن اس لیے نہیں کہ لیے نور خدا سے اندھیرے ضمیر اور کالے دل روشن ہوں بلکہ اس لیے کہ شیوخ کے لقب القاب کی فہرست طویل ہوجائے۔۔۔۔۔تحریکیں اٹھتی ہیں لیکن اس لیے نہیں کہ قومی سطح پر بیداری آئے بلکہ اس لیے کہ ''نیوز البم'' (News Album) خبروں سے بھر جائے۔۔۔۔۔مسجدیں بنتی ہیں اور مینار اونچے ہوتے ہیں لیکن اس لیے نہیں کہ تعمیر ملت اور تشکیل سیرت کے مرکز بنیں بلکہ اس لیے کہ ''مسجد ریس'' میں کہیں ہار نہ ہوجائے۔۔۔۔۔گلی گلی، کوچہ کوچہ دینی لٹریچر تقسیم کیے جاتے ہیں لیکن اس لیے نہیں کہ قوم کے دل جڑ جائیں بلکہ اس لیے کہ تشتت اور فرقہ واریت کی فضا جل اٹھے۔

دوستو!

جدت وتجدید اور ریا ورسم نے طوفاں کی صورت اختیار کر لی کہ پہلے پہل تو صدیوں بعد کوئی ایک مجدد پیدا ہوتا جس کے دم قدم سے بہاریں نور بانٹتیں لیکن یہ دور اور یہ زمانہ کہ قدم قدم مجدد، گلی گلی مفکر، بستی بستی مجتہد، نگر نگر اعلیٰ حضرت، محلہ محلہ حکیم الامت، روش روش جی حضور اور لمحہ لمحہ قطب الاقطاب اور شیخ المشائخ لیکن ملت وقوم جیسے بیسوا حالات کے بے رحم ہاتھوں ذلیل ورسوا ہورہی ہو۔

صاحبو!

آج کس چیز کی کمی ہے۔۔۔۔۔عبادتیں ہیں۔۔۔۔۔ریاضتیں ہیں اور دعائیں ہیں۔۔۔۔۔ خانقاہوں میں۔۔۔۔۔محرابوں میں۔۔۔۔۔مسجدوں میں اور مزارات پر۔۔۔۔۔خوب اور خوب گریہ زاری، آہ وفغاں، نالۂ دل۔۔۔۔۔کسک بلب اور آہ نیم شب۔۔۔۔۔دامن گیر، گرفتگان پیر اور رسم اسیر، بعض کہتے ہیں فلاں اجتماع میں حضرت نے دعا کی تو آسمان کا کلیجہ بھی پھٹنے لگا۔۔۔۔۔بعض کہتے ہیں کہ ہمارے مرکز میں بیس لاکھ کا اجتماع ہوا کیا کہیں لطف ومزہ دعاؤں کا۔۔۔۔۔لیلۃ القدر باشی کرنی ہو تو سبحان اللہ، نور وسرور جو فقیروں کے ڈیرے ہوتا ہے نہ پوچھیے اس کی لطافت، یہ مزے تو لوگوں نے غوث پاک کے زمانہ میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔۔۔۔۔حرم کا آنگن۔۔۔۔۔کعبہ کا پیٹ۔۔۔۔۔حجاز کی دھرتی۔۔۔۔۔عرفات کا میدان۔۔۔۔۔منیٰ کی وادی۔۔۔۔۔حاجیوں کے طوفان۔۔۔۔۔نمازیوں کے سجدے دعاؤں سے خالی نہیں، آرزوئیں اور تمنائیں، طلب اور چاہت اور مچلتی سسکیاں لیکن قوم، ملت، منزل اور مراد، مطلوب اور مقصود، غلبہ اور تسخیر، رضا اور خوشنودی، کہاں اور کدھر؟ قعر مذلت، افلاس ملت، درماندگی فکر اور واماندگی جذب وجنون۔۔۔۔۔مقصود کدھر؟ غلطی کس کی؟ بگڑا کون اور تعمیر کہاں؟ اے زندگی کچھ تو فہم کے موتی دامن میں ڈال۔۔۔۔۔تھوڑا سا تو ساتھ دے۔۔۔۔۔کچھ تو سہارا دے کہ اپنے گلستان میں بہار آئے۔

دوستو!

علم بڑی چیز ہے لیکن علم کی حقیقت وسعت نہیں، ہر دم انقلاب کے میٹھے جذبے ہیں اور انقلاب کی معراج شہرت نہیں، دور رسالت مآب ﷺ کی مہکتی خوشبو سے ہست وانس کی آبادی ہے۔

صاحبو!

تبدیلی ہر دم تبدیلی، انقلاب ۔۔۔۔۔ ہر آن انقلاب ۔۔۔۔ مسلمان کا وجود شذرہ زینت نہیں کہ اسے جھاڑ پھونک کر رکھو اور اسے انسانوں کا مرجع بناؤ جس پر جھنڈے چڑھیں، پھول برسائے جائیں اور اس کی عبادت کی جائے۔ ہاں مرجع بننے کے لائق انسانیت ہوتی ہے ۔۔۔۔۔ آدمیت ہوتی ہے اور خوبصورت اصول ہوتے ہیں، نہ یہ کہ انسان انسان کا خدا بن جائے ۔۔۔۔۔ مخلوق مخلوق کو اپنے سامنے جھکائے۔

کتنے عظیم تھے وہ لوگ اور کتنی میٹھی ہیں ان کی باتیں، ان کا ذکر ہی نور و سرور کی خیر بانٹتا ہے۔

کون لوگ؟

جنہوں نے نہ تو ولی اللہ کہلانا پسند کیا اور نہ مجدد پکارے گئے، نہ ان کے نام پر تحقیق ہوئی اور نہ بظاہر انہوں نے احیائے اسلام کا دعویٰ کیا۔

صاحبو!

ظرف چھوٹا ہو تو دعوے کثیر ہوتے ہیں، تربیت میں خامی ہو تو زندگی کی اساس محکم اصول نہیں ہوتے بلکہ پریشان خواب، اوہام، فاسد مراقبے اور سفلی حرکتیں، اچھے اچھے لوگوں کو دیوانہ بنا دیتی ہیں اور شہرت کے مجنوں آخر ملت کا سفینہ ڈبو کر رکھ دیتے ہیں۔

حضرت چراغ دہلوی فرمایا کرتے تھے:

مسلماناں مسلماناں مسلمانی مسلمانی
ازیں آئین بے ادباں پشیمانی پشیمانی

ہمارے دور کے انسان کو سکون چاہیے، اطمینان چاہیے، وہ مادیت زدہ ماحول سے تھک چکا ہے، ٹکے اور سکے اس کی روح کو خوش نہیں کر سکتے۔ تہذیب و تمدن کے عیش کوش بانی اس کے ضمیر کو مطمئن نہیں کر سکتے ۔۔۔۔۔ اسے اپنے رب کی تلاش ہے، وہ اپنے محبوب خدا کے جلوے دیکھنا چاہتا ہے ۔۔۔۔۔ وہ سمجھتا ہے کہ حقیقی خوشی فانی پر فنا ہونا نہیں باقی کے لیے مرمٹنا ہے ۔۔۔۔۔

دیکھو اس کی جستجو کہ وہ خالق حقیقی کی تلاش میں سرگرداں نظر آتا ہے ۔۔۔۔۔!!!

مبارک جذبے ۔۔۔۔۔!!!

عظیم امنگیں ۔۔۔۔۔!!!

خوبصورت طلب ۔۔۔۔۔!!!

تقدیر بدل سفر ۔۔۔۔۔!!!

چلنے والو! ڈھونڈنے والو! ذرا سنبھل کر چلنا ۔۔۔۔۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ سفر کا آغاز اخلاص سے ہوتا

ہے اور اختتام تجارت پر ہوتا ہے۔۔۔۔۔دیکھ کر چلنا تمہارے جذبوں کے سوداگر بھی راستے میں بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔بڑی خوبصورت دوکانیں ہیں۔۔۔۔۔چرچ ہیں۔۔۔۔۔چیپل ہیں۔۔۔۔۔مندر ہیں اور گرجے۔

انسانو!

ذرا سنبھل کر چلنا اور سوچ کر بڑھنا مذہب کی گرو تمہیں پتھر کی سلیں سمجھتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ تمہیں اندھیرے میں رکھ کر خود تمہارے خدا بن جائیں۔تم خدا کا پتہ ڈھونڈتے ہو یہ اپنا پتہ بتاتے ہیں،تم رحمٰن کی رحمتوں کے طالب ہو اور یہ شیطان کی سرکشیوں کے متوالے ہیں،تمہاری غرض ہے کہ اللہ ہی کا ذکر ہوتا رہے اور یہ چاہتے ہیں کہ انہی کی خوشامد ہوتی رہے،تمہاری خواہش ہے کہ کہیں مطلوب کا گھر مل جائے جس کا طواف کریں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ تم انہی کے گرداگرد چکر کاٹتے رہو۔۔۔۔۔!!

اے کاش کہ تمہیں اسلام کے سچے خادم رہنمائی کے لیے مل جاتے،جو رسم ورواج کے پندار ختم کر دیتے اور بدعات وخرافات کی رسیاں کاٹ دیتے۔جن کی غرض ایک دوسرے کے گریباں پھاڑنا نہ ہوتی بلکہ بھٹکے انسانوں کو محبوب تک پہنچانا ہوتا۔ایسے لوگوں کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ

بے لوث ہوتے ہیں

بے غرض ہوتے ہیں

باوفا ہوتے ہیں

اور باخدا ہوتے ہیں

سیم وزر ان کا مقصد نہیں ہوتا،خوشامد اور شہرت پر وہ خوش نہیں ہوتے،ان کی سوچ تاریخ سازی نہیں ہوتی بلکہ دل سازی ہوتی ہے۔وہ بندۂ خدا ہوتے ہیں۔آزادی اور حریت ان کی بہترین عادات ہوتی ہیں۔ریاکاری کا وہاں تصور بھی نہیں ہوتا۔خدا ان کے لیے ہوتا ہے اور وہ خدا کے لیے ہوتے ہیں۔ایسے نہیں کہ یہ لوگ ہوتے ہی نہیں

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

جلال محمود مکی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

ایسے ان گنت لوگ انسانیت کی خدمت سچائیوں اور اخلاص ہی کی بنیاد پر کر گئے۔۔۔۔۔!!!

ایک اور نکتہ جس کا سمجھ لینا ضروری ہے اور دینی کام کرنے والوں کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔وہ یہ کہ دینی

خدمتگار جب اللہ کا نام لے کر میدان عمل میں کودتا ہے تو محبت کا پیدا ہو جانا ضروری ہوتا ہے۔ لوگ اللہ کا نور ڈھونڈنے اس کے پاس آتے ہیں۔ یہ موقع دعوت دینے والوں کے لیے بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ کچا اور کمزور آدمی سمجھتا ہے کہ شاید یہ سب کچھ میرا کمال ہے، پھر صاحبو! لوگ یہاں پہنچ کر اپنے وجود سے گرفت کھو دیتے ہیں، پھر دعوے ہونے لگتے ہیں۔۔۔۔۔!!!

خوابوں کے۔۔۔۔!!!

سلطان ہونے کے۔۔۔۔۔!!!

امام بننے کے۔۔۔۔!!!

فقر وولایت کے۔۔۔۔۔!!!

کشف وکرامت کے۔۔۔۔۔!!!

اور

تجدید اور اجتہاد کے۔۔۔۔۔!!!

استغفر اللہ۔۔۔۔۔!!!

اللہ توبہ۔۔۔۔۔!!!

پہلے بزرگ تو ان چیزوں کو از حد بُرا سمجھتے تھے۔۔۔۔۔!!!

کتنے عظیم لوگ تھے کہ منصور بھی ہوتا تو سولی چڑھا دیتے۔۔۔۔۔!!!

کام کرو، کام کرنا جرم نہیں، جرم تو ریاکاری ہے۔۔۔۔۔!!!

علم حاصل کرو علم حاصل کرنا بدی نہیں بدی تو اپنی ذات کے علاوہ سب کو جاہل سمجھنا ہے۔۔۔۔۔!!!

محنت اٹھاؤ محنت کرنا برائی نہیں برائی تو اللہ کی مخلوق کو دھوکا دینا ہے۔۔۔۔۔!!!

محبت کرو محبت کرنا جنوں نہیں جنوں تو غم انسانیت سے بے حس ہو جانا ہے۔۔۔۔۔!!!

وعظ کرو وعظ کرنا پیشہ نہیں پیشہ تو خوبصورت خیالات کو داموں یا شہرت کے عوض بیچنا ہے۔۔۔۔۔!!!

اطاعت کرو اطاعت کرنا غلامی نہیں غلامی تو ضمیر اور روح کی آواز کو دبا لینا ہے۔۔۔۔۔!!!

اچھے لوگوں کو اچھا سمجھو اچھوں کو اچھا سمجھنا مکروہ نہیں مکروہ تو خوشامد ہے۔۔۔۔۔!!!

نفقہ زیست حاصل کرو نفقہ حاصل کرنا حرام نہیں حرام تو دولت کی دہلیز پر عقیدوں کا سجدہ ہے۔۔۔۔۔!!!

لکھو لکھنا مذموم نہیں مذموم تو قلم سے نکلنے والے خیالات کی سوداگری ہے۔۔۔۔۔!!!

مزدوری کرو مزدوری کرنا ناجائز نہیں ناجائز تو پیٹ کی ضرورتوں کو مذہب بنالینا

ہے۔۔۔۔۔!!!

پیار کرو کسی سے پیار کرنا ناروا نہیں ناروا تو عصمتوں کے آبگینے توڑ دینا ہے۔۔۔۔۔!!!

پڑھاؤ کسی کو پڑھا دینا نادرست نہیں نادرست تو معصوم ذہنوں کی تخریب ہے۔۔۔۔۔!!!

تجارت کرو تجارت کرنا ناپسندیدہ نہیں ناپسندیدہ تو مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھالینا

ہے۔۔۔۔۔!!!

کشادہ ظرف بنو کشادہ ظرف بننا برا نہیں برا تو خیر اور شر کی تمیز اٹھا دینا ہے۔۔۔۔۔!!!

سو، سو لینا منکر نہیں منکر تو اٹھنے کا نام ہی نہ لینا ہے۔۔۔۔۔!!!

دیکھو مناظر قدرت کو مناظر قدرت دیکھنا غلط نہیں غلط تو جاگیرداری کی ہوس ہے۔۔۔۔۔!!!

عزت کرو ہر کہ ومہ کی عزت کرنا برا نہیں برا تو دولت دنیا کے لیے کسی پر خوش ہونا

ہے۔۔۔۔۔!!!

خوش ہو خوش ہونا قابل گرفت نہیں قابل گرفت تو کسی کی مصیبت پر ہنسنا ہے۔۔۔۔۔!!!

سوچو سوچنا وقت کا زیاں نہیں وقت کا زیاں تو عبث افکار کی چوکھٹ پر زیست کا ضائع کر

دینا ہے۔۔۔۔۔!!!

قوم اور ملت کا بوجھ ہلکا کرو۔۔۔۔۔!!!

اور

احمقوں کی جنت میں بسنا چھوڑ دو۔۔۔۔۔!!!

تمہاری اور میری دنیا میں بقول مجدد الف ثانی

چوہے ہلدی کی گانٹھ پر بیٹھ کر پنساری بن گئے ہیں۔۔۔۔۔!!!

نجات صرف ''جہاد فی سبیل اللہ'' میں ہے۔۔۔۔۔

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید وفرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز ومعانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ النساء کی آیت نمبر 4 تا 6 تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِہِنَّ نِحۡلَۃً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡہُ نَفۡسًا فَکُلُوۡہُ ہَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا ﴿۴﴾ وَ لَا تُؤۡتُوا السُّفَہَآءَ اَمۡوَالَکُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمۡ قِیٰمًا وَّ ارۡزُقُوۡہُمۡ فِیۡہَا وَ اکۡسُوۡہُمۡ وَ قُوۡلُوۡا لَہُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ﴿۵﴾ وَ ابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡہُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ ۚ وَ لَا تَاۡکُلُوۡہَاۤ اِسۡرَافًا وَّ بِدَارًا اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا ؕ وَ مَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَ مَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ فَاَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِمۡ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا ﴿۶﴾

''اور تم عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دیا کرو، ہاں اگر وہ خود خوش ہو کر تمہارے لیے کوئی چیز چھوڑ دیں تو پھر مزے سے اسے خوشگوار سمجھتے ہوئے کھاؤ اور تم اپنے مال ناسمجھ لوگوں کے سپرد نہ کیا کرو ایسے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے رہنے کا ذریعہ بنا دیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ انہیں کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے اچھی بات کہو اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں پھر اگر تم ان میں پختگی محسوس کرو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو اور جلدی کرتے ہوئے اسے فضول خرچی سے نہ کھاؤ یہ اندیشہ رکھتے ہوئے کہ وہ بڑے ہی نہ ہو جائیں اور جو شخص مالدار ہو وہ تو اس سے دور ہی رہے البتہ جو نادار ہو تو وہ بقدر ضرورت کھا سکتا ہے اور جب ان کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ ضرور پکڑ لو اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے''۔

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِہِنَّ نِحۡلَۃً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡہُ نَفۡسًا فَکُلُوۡہُ ہَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا ﴿۴﴾

''اور تم عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دیا کرو، ہاں اگر وہ خود خوش ہو کر تمہارے لیے کوئی چیز چھوڑ دیں تو پھر مزے سے اسے خوشگوار سمجھتے ہوئے کھاؤ''۔

''وَاٰتُوا'' ایک ایسا کلمہ ہے جو مرد کی مردانگی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ دینے والا ہاتھ فائق ہوتا ہے، فضیلت مآب ہوتا ہے اور دینے والے کی وسیع اور موثر ذات ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ مرد بیاہ کر دیا نہیں جاتا وہ عورت کو بیاہ کر لاتا ہے۔ گھر مرد کا آباد ہوتا ہے عورت تو گھر چھوڑ کر آتی ہے، اس لیے اعتماد دینا مرد کی دلیل فتوت اور ضرورت ہوتی ہے، اس لیے عورت کا دل خوش کرنے کے لیے مرد ہی کے ہاتھ کو دینے والا ہونا چاہیے، اس لیے حکم آیت میں مردوں ہی کے نام ہے۔ آیت انتہائی حکمت آموز طریقے سے شادی کرنے والے مرد کو نفسیاتی رموز سے آگاہ کرتی ہے کہ جس عورت کو تم دھوم دھام سے گھر لائے ہو اس سے کچھ کمانے کے بجائے اس کو نوازنے کی سوچ اپناؤ۔ اگر زیادہ نہیں تو عورتوں کے مہر تو خوش دلی سے ان کے سپرد کرو، ''صَدُقٰتِہِنَّ'' کا مطلب عورتوں کے مقرر کردہ مہر ہیں۔ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مہر کی رقم زرِ اعتماد ہے۔ اگر اس نفسیاتی کرنسی ہی کو مرد پائمال کر دے گا تو عورت کے ساتھ نباہ کا لمبا سفر کیسے گزرے گا؟

علامہ راغب اصفہانی نے آیت کے لفظ ''نِحۡلَۃً'' پر خوبصورت تحریر رقم کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

''نحلہ'' کا لفظ بخشش، عطیہ اور قرض واپس دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے (11)۔ ''نحل'' شہد کی مکھی کو کہتے ہیں گویا شہد کی مکھیاں عسل اور شہد سے نوازتی ہیں۔ خاوند عورتوں کو جب مہر ادا کریں تو یہ شہد دینے سے مشابہت رکھنے والا فعل ہے۔

مہر دینے سے گریزاں ہونا کتنا بُرا فعل ہے اس کا اندازہ اس سے لگا لیں کہ نکاح شغار سے حضور ﷺ نے منع کر دیا اس لیے کہ یہ نکاح ادلے بدلے میں بغیر مہر کے منعقد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت نے البتہ وہ مال مردوں کے لیے حلال قرار دے دیا جو ان کی بیویاں خوشی سے ان کو عطیہ کر دیں۔

آیت میں ''مِّنۡہُ نَفۡسًا'' میں ''من'' تبعیضیہ ہو تو مفہوم عبارت یہ ہوگا کہ عورتیں اگر اپنا بعض مہر یا مال تم مردوں کو عطیہ کر دیں اور اس میں ان کی خوشی شامل ہو تو تم خاوند لوگ اس کو قبول کر سکتے ہو۔

مفہوم فہمی میں ''من'' بیانیہ بھی ہو سکتا ہے۔ دریں صورت معنیٰ یہ ہوگا عورتیں خوشی سے چاہیں تو سارے کا سارا مہر بھی بخش سکتی ہیں (12)۔

آیت میں بیوی اور خاوند کے درمیان حسن معاشرت کا سبق دیا گیا۔

روایت مشہور ہے کہ عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند سے اچھا سلوک کرے۔

واللہ اعلم

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

''اور تم اپنے مال ناسمجھ لوگوں کے سپرد نہ کیا کرو ایسے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے رہنے کا ذریعہ بنادیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ انہیں کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے اچھی بات کہو''۔

سفاہت کی تشریح

ائمہ لغت لکھتے ہیں کہ ''سفهاء، سفيهة'' کی جمع ہے۔ بدن میں کمی کو سفاہت کہا جاتا ہے۔ راغب نے لکھا کہ بدن میں ایسی کمی جو چلتے وقت بدن میں اعتدال نہ رہنے دے۔ ناموزوں ''افسار'' کو بھی ''سفیہ'' کہہ دیتے ہیں (13)۔ تاج نے لکھا کہ ''افسار'' اسی رسی کو کہتے ہیں جو گھوڑے یا گدھے کے سر اور گردن پر باندھی جائے۔ اس کے ناموزوں ہونے کی وجہ سے اسے ''افسار'' کہہ دیتے ہیں۔ ''ثوب سفیہ'' بوسیدہ کپڑے کو کہہ دیتے ہیں (14)۔ مفسرین نے لکھا کہ عقل میں کمی کو بھی ''سفاهت'' سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ فخر الدین رازی نے لکھا کہ ہر وہ شخص جس کی عقل نہ ہو اور وہ اپنے مال کی حفاظت ٹھیک طور پر نہ کر سکے وہ ''سفیہ'' ہوتا ہے۔ آیت میں ''سفهاء'' سے مراد یتیم بچے ہے۔ ان کے سرپرستوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ بے سمجھ بچوں یا عورتوں کو ان کے اموال سپرد نہ کیے جائیں، کہیں وہ کم عقلی سے اموال ضائع نہ کر دیں (15)۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول ہے کہ ''سفهاء'' سے مراد ہر وہ کم عقل ہے جس کو مال دینے سے روک دیا گیا ہے (16)۔

ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں (17):

''آیت کریمہ کے مفہوم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو خرید و فروخت کے احکام نہ جانتا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو شخص ہمارا دین نہ جانتا ہو وہ ہمارے بازاروں میں تجارت نہ کرے''۔

تفسیر قرطبی میں امام اعظم ابو حنیفہ کا قول نقل کیا گیا ہے (18):

''بچے کے مال کا محافظ ولی اس کے بالغ ہونے پر اس کا مال اس کے سپرد کر دے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وہ عقلمند ہو۔ ہاں اگر وہ کم عقل ہو مال کو ضائع کرتا ہو تو اسے مال ہرگز نہ دیا جائے۔ جب اس کی عمر پچیس سال ہو جائے تب اس کا مال اس کو دے دیا جائے۔ اب اس پر رہا وہ مال کو ضائع کرے یا محفوظ رکھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عمر میں انسان دادا بن سکتا ہے اس لیے کہ لڑکا بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو سکتا ہے اور اس عمر میں اگر وہ شادی کر لے تو چھ یا سات ماہ بعد اس کا بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اب دادا ہونے کی عمر میں بھی کسی کا مال روک کر رکھنا تعجب انگیز ہوتا ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا قول ہے (19):

''سفیہ'' وہ شخص ہے جو قابلِ اعتماد نہ ہو''۔

''قِيٰمًا'' کا معنیٰ و مفہوم

قیام اور قوام اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی دوسری چیز قائم ہو۔ یتیموں کے اموال پر قوام اور قیام ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہیں ان کے اموال کا محافظ بنا دیا اس لیے تم پر لازم ہے کہ زندگی بسر کرنے کا چونکہ مال ذریعہ ہے اس لیے بے سمجھ یتیموں کے اموال پر ان کے محافظین نگران ہیں کہ مال ضائع ہونے سے بچ جائے۔

تفسیر ابی السعود نے بھی ٹھیک لکھا:

''مال کی حفاظت ولیوں کی طرف اس لیے ہے کہ مراد مال سے جنس مال ہے جس سے لوگ اپنی معیشت قائم کرتے ہیں۔ اصل میں اموال کی طرف لوگوں کے دل مائل ہوتے ہیں اور مال کو جمع کر کے رکھنے کی بھی رغبت ہوتی ہے، اس لیے مال کو زندگی گزارنے کا ذریعہ قرار دے دیا گیا ہے''۔

معاشرتی حسن کی ایک اور جہت

یتیم بچوں کے سرپرستوں کو کہا جا رہا ہے کہ ان کی خوراک اور لباس کا انہی کے مال سے بندوبست کرو تاکہ وہ باوقار ماحول میں عزت اور آبرو کے ساتھ پروان چڑھیں۔ ہمارے خیال میں آیت میں ''منها'' کی بجائے ''فِيْهَا'' لانا اس لیے ضروری ہوا کہ مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے مال اور سرمایہ کے نفع سے خرچہ پورا کرنے کی تحریص ہو۔

آیت کا آخری حصہ

کہا گیا کہ یتیموں کے ساتھ تمہارا رویہ ''قول معروف'' کی بنیاد پر ہو، اس سے حسن معانی کی جو کہکشاں سجتی ہے اس کا جلوہ ان نکات میں دیکھا جا سکتا ہے:

1۔ یتیموں کے ساتھ گفتگو شائستگی سے کرو تاکہ ان کے دلوں کے نازک آبگینے ٹوٹنے نہ پائیں۔

2۔ بچوں میں نفسیاتی کمیاں نہ پیدا ہونے دی جائیں، انہیں باوقار ماحول فراہم کیا جائے۔

3۔ ان سے صلۂ رحمی کرتے ہوئے پختہ عہد کے ساتھ انہیں یقین دلایا جائے کہ ان کی مالی امانتیں محفوظ ہیں۔ تجارت میں استعمال ہونے کی صورت میں ان کا سرمایہ محفوظ ہوگا اور انہیں اچھا نفع دیا جائے گا۔

4۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا احسن بندوبست کیا جائے۔

5۔ بعض اموال سپرد کرنے کی صورت میں بچوں کے اندر یہ سوچ پیدا کی جائے کہ مال کو عبث خرچ نہ کیا جائے۔

6۔ بچوں کو جھڑکنے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

7۔ بچوں کے اقتصادی رویوں میں تربیت کا بندوبست کیا جائے۔

8۔ بچوں کے دینی رویے تعمیری بنانے کی سعی کی جائے۔

9۔ بچوں کو ان تمام مواقع سے بچایا جائے جو احساس کمتری پیدا کرتے ہوں۔

10۔ قول معروف اسلامی نظام کی روشنی میں کردار سازی بھی ہو سکتی ہے۔

واللہ اعلم

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝٦

''اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں پھر اگر تم ان میں پختگی محسوس کرو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو اور جلدی کرتے ہوئے اسے فضول خرچی سے نہ کھاؤ یہ اندیشہ رکھتے ہوئے کہ وہ بڑے ہی نہ ہو جائیں اور جو شخص مالدار ہو وہ تو اس سے دور ہی رہے البتہ جو نادار ہو تو وہ بقدر ضرورت کھا سکتا ہے اور جب ان کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ ضرور پکڑ لو اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے''۔

اس آیت کی تشریح چند نکات پر مشتمل ہے:

پہلا نکتہ

یتیم بچوں کے سرپرستوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بچوں کی اقتصادی اہلیتوں کا امتحان لیتے رہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ بچے مالکانہ تصرف کے اہل ہوئے ہیں یا نہیں ہوئے۔ اصل شتابی اور جلدی تو یتیم بچوں کے اموال ان کے سپرد کرنے کی ہوتی ہے۔ ریاست میں ہر اچھا نظام لوگوں کی جان اور مال کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے اور ''لاریب'' سب سے اچھا نظام اسلام ہے۔ یتیم بچے چونکہ کمزور ترین مخلوق ہوتے ہیں اس لیے ان کے حقوق کا تحفظ خود قرآن کر رہا ہے۔

دوسرا نکتہ

قرآن مجید کی یہ آیت ہدایت دیتی ہے کہ یتیم بچہ جب بالغ ہو جائے اور اس میں ''رشد'' اقتصادی فہم اور مالکانہ تصرف کے نفوذ میں پختگی آ جائے اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ پہلی شرط بلوغت کی ہے۔ عمر کے اس حصے میں پہنچ کر شرعی ذمہ داریاں پوری طرح عائد ہو جاتی ہیں۔ جرائم پر سزاؤں اور تعزیرات کا نفوذ ہونے لگ جاتا ہے، اس لیے کوئی امر مانع نہیں رہتا کہ یتیم کے اموال اس کے سپرد نہ کیے جائیں۔ اس سلسلہ میں دوسری شرط ''رشد'' کی ہے۔ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ''رشد'' اس پختگی کو کہا جائے گا جس میں مال بہتر طریقے سے خرچ کرنا آ جائے اور دھوکہ وغیرہ کو سمجھنے کی اہلیت ہو۔ ''رشد'' ''غی'' کی نقیض ہے۔ اس اعتبار سے ''غی'' گمراہی اور فساد ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ''رشد'' وہ ہے جس میں گمراہی اور فساد نہ ہو۔ دینی مصلحتوں کا نہ سمجھنا بھی عدم رشد کی دلیل ہوتی ہے اس لیے کہ فرعون کو کہا گیا کہ اس کا کوئی معاملہ بھی ''رشد'' نہیں رکھتا تھا(20)

تیسرا نکتہ

قرآن مجید سمجھاتا ہے کہ یتیموں کے اموال کو خرچ کرنے میں دو احتیاطیں لازم ہیں: ایک تو یہ کہ اسراف نہ کرو اور دوسری یہ کہ بدار نہ کرو۔ رہا یہ سوال کہ اسراف کیا ہوتا ہے؟ ائمہ تفسیر نے اس کا معنیٰ لکھا حد سے تجاوز کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہونگی: ایک معنیٰ تو ''قدر'' کے ساتھ تعلق رکھے گا یعنی مال کے خرچ کرنے میں احتیاط یہ ہے کہ زیادہ مال خرچ نہ کرو اور کبھی کیفیت میں تجاوز کو اسراف کہتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ اللہ کی اطاعت کے بغیر جو مال تم خرچ کرو گے وہ اسراف ہوگا اگرچہ وہ تھوڑا مال ہو۔ یہ بھی کہا گیا کہ عادت کے مطابق خرچ کرنا عدل ہے اور خلاف عادت بے جا خرچ کرنا اسراف اور فضول خرچی ہے۔ دوسرا یہ کہ مال کے خرچ کرنے میں ''بدار'' نہ برتو۔ ''بدور'' جلدی کرنا ہوتا ہے یعنی یتیموں کا مال خرچ کرنے میں عجلت نہ مچاؤ اس اندیشے سے کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور اپنا مال واپس لے لیں۔

چوتھا نکتہ

آیت نے اقتصادی اخلاق کی راہیں خود متعین کر دیں کہ یتیموں کے سرپرست خرچ کرنے میں اعتدال برتیں۔ اگر وہ خود غنی ہیں تو ''عفو'' سے کام لیں یعنی اگر وہ خود اپنے مال سے کفالت کر سکتے ہیں تو اس جیسی تو کوئی بات نہیں اور اگر غربت ہے تو پھر بقدر حاجت کھانے کی تو اجازت ہے لیکن مقدار میں احتیاط ہو جسے عادتاً معروف کہا جا سکے یعنی اس پر نیکی ہی کا اطلاق ہو لوگ اسے معاشی دھندا نہ تصور کریں۔ آیت میں ''عفو'' اور ''معروف'' زبردست اخلاقی اور روحانی معیار کی وضاحت کرتی ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے(21):

''ایک شخص حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میری کفالت میں ایک یتیم بچہ ہے کیا میں اس کے مال سے خرچ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مناسب مقدار میں خرچ کر سکتے ہو۔ احتیاط اس میں یہ ہو کہ تم اپنا مال جمع نہ کرو اور اس کے مال کی قیمت پر اپنا مال بچاؤ نہ''۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی فرمائے: ''اور حد سے تجاوز نہ کرو''۔

پانچواں نکتہ

جب یتیموں کے سرپرست محسوس کریں کہ مال کے مالک اب بلوغ اور رشد دونوں کی حقیقت پا گئے ہیں تو اموال سمجھ دار یتیموں کے حوالے کر دیں لیکن اس پر گواہیاں ضرور قائم کر دیں تا کہ یتیم اور سرپرست کے درمیان نزاع کے امکانات بالکل ختم کر دیے جائیں اور نیکی برائی کا روپ نہ اختیار کر لے۔

چھٹا نکتہ

آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت لائی گئی کہ وہ حساب لینے کے اعتبار سے کافی ہے۔ آیت کے آخر میں اس جملہ کا عمود تفسیر کے طور پر لانا یہ تمام معانی پیدا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حساب لینے میں کافی ہے۔ اللہ جزا دینے میں کافی ہے اور اللہ گواہ ہونے میں بھی کافی ہے۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے معنیٰ اخذ کیا کہ یتیم کے سرپرست کے بارے میں مال سپرد کرنے کے بارے میں صرف حلف پر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے(22)۔

حوالہ جات

(11) المفردات: راغب اصفہانی
(12) حاشیہ جلالین: صاوی
(13) المفردات: راغب
(14) تاج العروس: زبیدی
(15) تفسیر کبیر: رازی
(16) تفسیر قرطبی: قرطبی
(17) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(18) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(19) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(20) تفسیر کبیر: فخر رازی
(21) تفسیر مظہری: پانی پتی
(22) تفسیر مظہری: پانی پتی

خیبر سے غزہ تک

حافظ سخی احمد خان

عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خَيْبَرَ، وَكَانَ بِهِ رَمَدٌ، فَقَالَ: أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فَتَحَهَا اللَّهُ فِي صَبَاحِهَا، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ، أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ، غَدًا رَجُلًا يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، أَوْ قَالَ: يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيْهِ " فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَمَا نَرْجُوهُ، فَقَالُوا: هَذَا عَلِيٌّ فَأَعْطَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّايَةَ فَفَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ

(بخاری شریف)

''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ گئے کیونکہ وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ پھر انہوں نے سوچا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں شریک نہیں ہوسکوں گا، چنانچہ گھر سے نکلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر سے جا ملے۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا'' یا فرمایا: ''کل وہ شخص جھنڈا لے گا جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہے''، یا پھر فرمایا: ''وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ اس کے ہاتھوں فتح نصیب کرے گا''۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، حالانکہ ان کے آنے کی توقع نہیں تھی۔ لوگوں نے کہا: یہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جھنڈا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح عنایت فرمائی''۔

درج بالا حدیث پاک امام بخاری علیہ الرحمہ نے صحیح بخاری میں مناقب مولا علی رضی اللہ عنہ میں بیان فرمائی ہے۔ اس وقت اُمّتِ مسلمہ یہودیوں کی ہولناک سازشوں کا سامنا کر رہی ہے اور غزہ کے مظلوم مسلمانوں کی حالتِ زار سے ہر دردمند اُمّتی کا دل دُکھی ہے۔ خیبر یہودیوں کی ایسی شکست تھی کہ جس کے بعد وہ مسلمانوں کے خلاف صدیوں کسی سازش کا سوچ بھی نہ سکے۔ آئیں فرمانِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفہیم کی کوشش کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے درج ذیل نکات قائم کیے جاتے ہیں:

1۔ مقام علی پاک رضی اللہ عنہ اور خدائی انتظام
2۔ منصب علی رضی اللہ عنہ اور حکمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
3۔ خاصۂ مولا مرتضیٰ پاک علیہ السلام
4۔ لعابِ دہن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بختِ علی رضی اللہ عنہ
5۔ صاحب اللواء
6۔ دعائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ
7۔ قوتِ علی رضی اللہ عنہ اور دروازۂ خیبر
8۔ اللہ اور رسول کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت

1۔ مقام علی پاک علیہ السلام اور خدائی انتظام

یہ مالک لم یزل وحدہ لاشریک لہ کی عادت ہے کہ وہ اپنے بندوں کی عظمتوں کے اظہار کے لیے اپنی قدرت کا ظاہر فرماتا ہے جیسا کہ اُس نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنے پاک محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامِ محبوبیت کو کائنات والوں کے سامنے ظاہر کرنے کے لیے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (سورۃ التوبہ)

''اور اگر تم آپس میں کسی وعدے پر جم جاتے تو وقت معین پر پہنچنے میں اختلاف پڑ جاتا لیکن یہ اس لیے ہوا کہ اللہ ہونے والے کام کو پورا فرما دے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہو وہ ہلاک ہو دلیل سے اور جسے جینا ہو وہ زندہ رہے دلیل سے اور بے شک اللہ ضرور سننے والا اور خوب جاننے والا ہے''۔

(تذکرہ)

درج بالا آیت مقدس سے یہ بات واضح ہوئی کہ شام سے آنے والے تجارتی قافلہ کا بچ کر نکل جانا اور مقابلے پر ابوجہل کا لشکر لیکر میدان بدر پہنچ جانا سب خدائی حکمت کے تحت تھا تاکہ یہ امر روزِ روشن کی طرح سب پر عیاں ہو جائے کہ حیاتِ حق اور اللہ کی رضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت و محبت و غلامی میں ہے اور دائمی موت وذلت محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ و تعلق توڑنے میں ہی ہے یعنی یہ خدائی حکمت اور عادت ہے کہ وہ حق کو حق ثابت کرتا ہے اور اپنے محبوب بندوں کے مقام و منصب کو ظاہر کرنے کے لیے انسانی ارادوں میں تقدم و تاخر فرماتا ہے۔ اس بنیادی اور تمہیدی بات کو سمجھنے کے بعد اب زیرِ مطالعہ روایت پر غور فرمائیں:

- مولا علی رضی اللہ عنہ کا غزوۂ خیبر کے سفر سے پیچھے رہ جانا جبکہ مولا مرتضیٰ علیہ السلام کبھی بھی کسی اور سفر میں ایسے پیچھے نہیں رہے
- مولا علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کو آشوب چشم ہو جانا
- مولا علی رضی اللہ عنہ کا عین اُسی رات میں خیبر پہنچنا کہ جس رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا تھا
- قلعہ قموص کا فتح نہ ہونا

مزاجِ روایت سے یہ بات کھل کر اُجاگر ہوجاتی ہے کہ یہ سب اللہ ربّ العالمین کی خدائی حکمت کے تحت تھا تاکہ مولا علی علیہ السلام کا مقام ومنصب کو رہتی دُنیا تک واضح کیا جائے تاکہ جسے حق پہچاننا ہو اُسے دقت نہ ہو اور وہ شہنشاہِ اولیاء اور قاسم ولایت مولا علی علیہ السلام کی بارگاہ کی غلامی اختیار کرلے

2۔منصب علی علیہ السلام اور حکمتِ رسول کریم ﷺ

آقا کریم ﷺ نے بھی اپنے پیارے علی علیہ السلام کو اپنے اصحاب اور قیامت تک آنے والے مؤمنوں کے لیے نمایاں کرنے کے لیے خاص اہتمام فرمایا۔

ایک دن پہلے ہی اہتمام سے اعلان فرمانا تاکہ شوق وجستجو پیدا ہو۔نفسیاتی اعتبار سے کسی بات کی اہمیت جتانے اور بتانے کے لیے یہ نہایت ہی مؤثر طریقہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ غلامانِ رسول ﷺ نے ساری رات انتظار میں گزاری۔

شوق کو دوآتشہ کرنے کے لیے معلمِ انسانیت اور محسنِ کائنات ﷺ نے نام بتانے کی بجائے اُس بطلِ جلیل کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کا محبوب ہے۔۔۔۔۔۔

پھر اس شوق وجستجو کو اور مہمیز لگائی کہ وہ قلعہ جو اب تک کسی سے فتح نہیں ہوسکا اور جس کو فتح کرنے کو تم ناممکن یا دشوار ومشکل سمجھ رہے ہو وہ اُس رجلِ عظیم کے ہاتھوں فتح ہوجائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔

شوق اس قدر بڑھ چکا تھا کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے لیے رات گزارنا مشکل ہورہا تھا اور رات آنکھوں میں ہی کٹی۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ اُسی شوق کا مظہر تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی مگر اندازِ رسول ﷺ، لہجہ رُسول ﷺ اور بشارتِ رسول ﷺ میں رنگ و آہنگ ہی کچھ ایسا کہکشاں آفرین تھا کہ دل مچلنے لگا، خواہش تڑپنے لگی کہ کاش قرعۂ نصیب میرے نام نکل آئے۔۔۔۔۔۔۔۔

شاید اس بار لوگ یہ سمجھ رہے ہوں کہ علی علیہ السلام تو پیچھے رہ گئے ہیں، ہمارے ساتھ سفر میں آغاز سے شریک ہی نہیں ہوئے، آنکھیں بھی دُکھ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شاید وہ بطلِ جلیل اور رجلِ عظیم اس بار علی علیہ السلام نہیں ہوں گے!!

زیرِ مطالعہ روایت کے درج ذیل الفاظ بارِ دیگر پڑھیں۔۔۔

فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَمَا نَرْجُوهُ

''کہ پھر ہمارے درمیان علی علیہ السلام آگئے حالانکہ اُن کے آنے کی اُمید بھی نہ تھی''۔

حکمتِ رسولِ معظم ﷺ نے نمایاں کیا کہ مقام ومنصب وعزت وشان وشوکتِ علی علیہ السلام کیا ہے؟؟

اسی روایت کے یہ الفاظ بھی شاندار اور مزیدار ہیں کہ پھر لوگوں نے کہا:

هَذَا عَلِيٌّ

یہ علی رضی اللہ عنہ ہے، ہاں ہاں یہ علی رضی اللہ عنہ ہے، علی رضی اللہ عنہ ہے، علی رضی اللہ عنہ ہے، علی رضی اللہ عنہ ہے اور بس علی رضی اللہ عنہ ہے بلکہ علی رضی اللہ عنہ ہی علی رضی اللہ عنہ ہے

3۔خاصۂ مولا مرتضیٰ علیہ السلام

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ غزوۂ خیبر میں محبوب ربّ العالمین ﷺ کے ساتھ سبھی کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔سب کو باری باری موقع بھی ملا مگر اللہ ربّ العالمین نے یہودیوں کی عبرتناک شکست اور خیبر کی فتح کو خاص مولا مرتضیٰ علیہ السلام کے لیے رکھا۔امیر المؤمنین، غارِ یار حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس معرکہ کے لیے باری باری بھیجا گیا مگر وہ پلٹ کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔مصنف ابن ابی شیبہ کے الفاظِ روایت یہودیوں کی تیاریوں اور مسلمانوں کی کیفیت کو بیان کرتی ہے کہ لوگوں میں بے یقینی اور خوف پیدا ہوچکا تھا کہ فتح کیسے ممکن ہوسکے گی؟؟ یہودیوں کے پاس تقریباً بیس ہزار فوج تھی، وہ قلعہ بند بھی تھے، بہتر مورچہ بندی کے ساتھ تھے اور سامانِ رسد کا ذخیرہ بھی وافر تھا۔جبکہ مسلمان مدینہ پاک سے دور تھے، سامانِ رسد بھی وافر نہیں تھا اور وہ کھلے میدان میں جبکہ یہودیوں فصیلوں کی اونچائی پر تھے مگر پھر یہ ہوا کہ۔۔۔۔۔شیرِ خدا آگیا، ابوطالب کا بیٹا، فاطمہ بنت اسد کا حیدر، بنوہاشم کی خاندانی جراءت وبہادری کا علمبردار اور مصطفےٰ کریم ﷺ کا بھائی علی علیہ السلام آگیا۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ آگیا، علی رضی اللہ عنہ چھا گیا!!!

اور بہت سے خصائص کے علاوہ یہ بھی خاصۂ مرتضیٰ پاک علیہ السلام ہی ہے کہ ان حالات واسباب میں اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھوں پر لشکرِ اسلام کو فتحِ خیبر عطا فرمائی۔ خیبر کے موقع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی دعا اور بشارت ایسا وصف نمایاں رہا کہ ایک موقع پر جب حضرت سعد بن ابی وقاص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہنے پر اصرار کیا گیا تو جواباً جو اوصاف وخصائص علی رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیے۔ اُن میں سے خیبر کا یہ عظیم الشان اعزاز بھی تھا۔

اب سمجھ بھی آتی ہے کہ یہودیوں کو کیوں 13 کے عدد سے نفرت ہے؟ وہ کیوں اس عددِ برکت کو علامتِ نحوست سمجھتے ہیں؟ اُس کی وجہ یہ ہے کہ علی علیہ السلام نے کبھی اسباب کی قلت وکثرت کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کیا وہ صرف اور صرف مصطفےٰ پاک ﷺ کی نظر سے ہر میدان میں فتح یاب ہوئے ہیں۔اسی لیے کسی اور کے حصے میں ''فزت برب الکعبة'' کا اعلانِ فتح وجیت نہ آسکا۔یہ مقدر بھی صرف علی رضی اللہ عنہ کا ہے اور صرف علی رضی اللہ عنہ ہی کا ہے۔

4۔لعابِ دہنِ رسول اور علی رضی اللہ عنہ کا بخت

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے بخت کی یہ ارجمندی ہے کہ وہ ذات جسے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے لعابِ دہن سے نوازا وہ سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔حضور ﷺ نے خود اُن کی پرورش فرمائی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

وَقَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ، وَالْمَنْزِلَةِ الْخَصِيصَةِ. وَضَعَنِي فِي حِجْرِهِ وَأَنَا وَلَدٌ يَضُمُّنِي إِلَى صَدْرِهِ، وَيَكْنُفُنِي فِي فِرَاشِهِ، وَيُمِسُّنِي جَسَدَهُ، وَيُشِمُّنِي عَرْفَهُ. وَكَانَ يَمْضَغُ الشَّيْءَ ثُمَّ يُلْقِمُنِيهِ (خطبہ قاصعہ، نہج البلاغہ)

''تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر ومنزلت کی وجہ سے میرا مقام ان کے نزدیک کیا تھا میں بچہ ہی تھا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے گود میں لے لیا تھا۔اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے۔بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سونگھاتے تھے۔پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے''۔

معلوم ہوا کہ لعابِ دہن رسول ﷺ بچپن ہی سے مولا علی علیہ السلام کی غذا رہا۔باقی رہا آنکھوں میں لعابِ دہن رسول پاک ﷺ اور نفخِ رسول کریم ﷺ کی معجزہ

آرائیاں تو درج ذیل روایتِ کرم ولطف کا مطالعہ بھی فرمالیجیے جو خیبر کے اس منظر کو اور دلربا بنادے گی۔ ایک اور ایسے ہی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مولا علی پاک رضی اللہ عنہ و طلب فرمایا:

(اس روایت کو امام احمد نے مسند میں، امام حاکم نے المستدرک اور امام نسائی نے سنن الکبریٰ میں بیان فرمایا ہے)

قَالَ أَيْنَ عَلِيٌّ؟ قَالُوْا: هُوَ فِي الرَّحٰي يَطْحَنُ قَالَ وَمَا كَانَ أَحَدُكُمْ لِيَطْحَنَ؟ قَالَ، فَجَاءَ وَهُوَ أَرْمَدُ لَا يَكَادُ يُبْصِرُ. قَالَ؟ فَنَفَثَ فِي عَيْنَيْهِ، ثُمَّ هَزَّ الرَّايَةَ ثَلَاثًا فَأَعْطَاهَا إِيَّاهُ

''آپ ﷺ فرمایا علی رضی اللہ عنہ کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ چکی میں آٹا پیس رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی آٹا کیوں نہیں پیس رہا؟ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو آشوب چشم تھا اور اتنا سخت تھا کہ آپ دیکھ نہیں سکتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں پھونکا پھر جھنڈے کو تین دفعہ ہلایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وعطا کر دیا''۔

سوچنے کی بات ہے کہ مولا علی پاک علیہ السلام ایسے ہر فن مولا ہیں کہ وہی ہر فن وکمال کے مولا ہیں۔

آٹا پیسنے وگھوندنے کا فن تو۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ مولا
حضور ﷺ کے نعلین گانٹھنے کا ہنر تو۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ مولا
دعوتِ ذوالعشیرہ کا طباخ تو۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ مولا
قرآن کی تاویل پر جہاد کرنے والا۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ مولا
بدر سے لیکر خیبر وخندق تک ہر میدان کا ہیرو۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ مولا
قلم وخطبہ سے لیکر تلوار کی کاٹ تک ہر فن وکمال کا حقیقی مولا۔۔۔۔۔علی رضی اللہ عنہ مولا

5۔صاحب اللواء

خیبر کوئی واحد موقع نہیں جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے علی رضی اللہ عنہ کو یہ جھنڈا دیا ہو۔ بلکہ ہر ہر موقع پر علمبردار رسول ﷺ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہی تھے اور قیامت کے دن حضور ﷺ کے لوائے حمد کے علمبردار بھی علی علیہ السلام ہی ہوں گے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَانَ صَاحِبَ لِوَاءِ رَسُوْلِ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم، يَوْمَ بَدْرٍ وَفِي كُلِّ مَشْهَدٍ (رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ فِي الطَّبَقَاتِ الكبريٰ)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ غزوہ بدر سمیت ہر معرکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے علم بردار تھے''۔

امیر المؤمنین، خلیفہ راشد حضرت امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کے اس وصف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ هُبَيْرَةَ: خَطَبَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رضى الله عنه فَقَالَ: لَقَدْ فَارَقَكُمْ رَجُلٌ بِالْأَمْسِ لَمْ يَسْبِقْهُ الْأَوَّلُوْنَ بِعِلْمٍ، وَلَا يُدْرِكُهُ الْآخِرُوْنَ، كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم يَبْعَثُهُ بِالرَّايَةِ، جِبْرِيْلُ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَمِيكَائِيْلُ عَنْ شِمَالِهِ، لَا يَنْصَرِفُ حَتّٰي يُفْتَحَ لَهُ

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْمُعْجَمِ الْأَوْسَطِ)

''حضرت ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ گزشتہ کل تم سے وہ ہستی جدا ہوگئی ہے جن سے نہ تو گزشتہ لوگ علم میں سبقت لے سکے اور نہ ہی بعد میں آنے والے ان کے مرتبہ علمی کو پاسکیں گے، حضور نبی اکرم ﷺ ان کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجتے تھے اور جبرائیل آپ کی دائیں طرف اور میکائیل آپ کی بائیں طرف ہوتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کو فتح عطا ہونے تک وہ آپ کے ساتھ رہتے تھے''۔

وفا، خلوص کے آئین کی کتاب علی رضی اللہ عنہ
نبی کے عشق کے دستور کا نصاب علی رضی اللہ عنہ

مگر خیبر کا موقع اس لحاظ سے نہایت اہم اور خاص تھا کہ آقا کریم ﷺ کے دستِ مُبارک سے اس جھنڈے کو حاصل کرنے کے لیے ہر شخص کا ہی دل مچل رہا تھا۔ یہاں تک کہ رسول کریم ﷺ نے یہ جھنڈا مولا علی رضی اللہ عنہ کو عطا کرنے سے پہلے اس جھنڈے کو اپنے دست مُبارک میں لے کر لہرایا اور پھر اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے سوال کیا:

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلي الله عليه وآله وسلم أَخَذَ الرَّايَةَ فَهَزَّهَا ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَأْخُذُهَا بِحَقِّهَا؟ فَجَاءَ فُلَانٌ فَقَالَ: أَنَا، قَالَ: أَمِطْ، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: أَمِطْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صلي الله عليه وآله وسلم: وَالَّذِي كَرَّمَ وَجْهَ مُحَمَّدٍ لَأُعْطِيَنَّهَا رَجُلًا لَا يَفِرُّ، هَاكَ يَا عَلِيُّ فَانْطَلَقَ حَتّٰي فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ خَيْبَرَ وَفَدَكَ وَجَاءَ بِعَجْوَتِهِمَا وَقَدِيْدِهِمَا (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ يَعْلَى فِي مُسْنَدِهِ)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے جھنڈا پکڑا اور اس کو لہرایا پھر فرمایا: کون اس جھنڈے کو اس کے حق کے ساتھ لے گا پس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا میں اس جھنڈے کو لیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم پیچھے ہو جاؤ پھر ایک اور آدمی آیا۔ آپ ﷺ نے اس کو بھی فرمایا پیچھے ہو جاؤ پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کے چہرے کو عزت وتکریم بخشی میں یہ جھنڈا ضرور بالضرور اس آدمی کو دوں گا جو بھاگے گا نہیں۔ اے علی رضی اللہ عنہ! یہ جھنڈا اٹھالو پس وہ چلے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خیبر اور فدک کی فتح نصیب فرمائی اور آپ ان دونوں کی کھجوریں اور خشک گوشت لے کر حاضر خدمت ہوئے''۔

6۔دعائے رسول ﷺ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ

جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت کرتے ہوئے سید الانبیاء والمرسلین ﷺ نے دعاؤں سے بھی نوازا۔ جن میں ایک دعا ایسی بھی ہے جو مولا علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کا خاصہ ٹھہری۔ روایتِ اختصاص ملاحظہ ہو:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى قَالَ: كَانَ أَبِي يَسْمُرُ مَعَ عَلِيٍّ، فَكَانَ عَلِيٌّ يَلْبَسُ ثِيَابَ الصَّيْفِ فِي الشِّتَاءِ، وَثِيَابَ الشِّتَاءِ فِي الصَّيْفِ، فَقِيلَ لَهُ: لَوْ سَأَلْتَهُ، فَسَأَلَهُ فَقَالَ: "إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَيَّ، وَأَنَا أَرْمَدُ يَوْمَ خَيْبَرَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي رَمِدٌ، فَتَفَلَ فِي عَيْنِي وَقَالَ: اللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ«، فَمَا وَجَدْتُ حَرًّا وَلَا بَرْدًا بَعْدُ (مسند احمد)

''حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت علی ؓ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے اور مولا علی ؓ گرمیوں میں موٹے سردیوں والے اور سردیوں میں گرمیوں والا لباس پہنتے تھے ۔ جب اُن سے اس بابت پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خیبر کے روز طلب فرمایا جبکہ میری آنکھیں دُکھ رہی تھیں ۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میری آنکھوں میں آشوب ہے پس آقائے رحمت ﷺ نے میری آنکھوں میں لعاب لگایا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کی: اے اللہ! اس سے گرمی اور سردی کو دور فرما۔ لہذا اُس روز کے بعد مجھے گرمی اور سردی نہیں لگتی''۔

معرکہ وہم خیبر کی فتح تھی مگر دُعائے رسول ﷺ سردی اور گرمی سے بچنے کی تھی۔ موقع کی مناسبت سے دُعا تو استقامت و جرأت و بہادری کی ہونی چاہیے تھی لیکن زیرِ مطالعہ حدیث پاک کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ ساری باتیں تو نبی کریم ﷺ اوصاف بیان کرتے ہوئے ایک روز پہلے ہی ارشاد فرما چکے تھے ۔ کہ ''وہ پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا ہے، بھاگنے والا نہیں ہے''۔

علی ؓ کی استقامت، علی ؓ کے عزم واستقلال، علی ؓ کی جرأت و بہادری، علی ؓ کی جنگی حکمت و تدبیر اور مولا علی ؑ کے ہاتھ پر شاندار فتح کی خبر تو پہلے ہی دی جا چکی تھی ۔ لہذا سردی و گرمی سے بچانے کی دُعا کا مقصد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ایک اور ایسے اختصاص سے نوازا تھا جو کسی اور کا مقدر نہیں بن سکا۔ یہ دُعا حضرت علی ؑ کے زہد کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ سردی اور گرمی لگنا بشری تقاضا بھی ہے اور کمزوری بھی جبکہ ایک مجاہد کے لیے ضروری ہے کہ اُس میں موسمی حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ اس اعتبار سے بھی دشمنوں کو عظمت مولا علی ؓ کو سلام کرنا ہی پڑتا ہے کہ وہ جسے اللہ کی راہ میں جہاد سے کوئی بھی موسم اور کیسے بھی حالات نہ روک پائے وہ فقط اور فقط تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر علی ؓ ہے اور بس علی ؓ ہے۔

اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے
اک ضربِ ید اللہی ' اک سجدۂ شبیری

7۔ قوت علی ؓ اور دروازۂ خیبر

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس روایت کو اختصار سے نقل فرمایا ہے جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ، المستدرک، المسند امام احمد، مجمع الزوائد، فتح الباری، طبرانی فی تاریخ الامم اور ابن ہشام فی سیرۃ النبویہ میں بطور خاص اس بات کو بیان فرمایا ہے:

فَضَرَبَهُ رَجُلٌ مِنْ يَهُوْدَ فَطَرَحَ تُرْسَهُ مِنْ يَدِهِ، فَتَنَاوَلَ عَلِيٌّ رضي الله عنه بَابًا كَانَ عِنْدَ الحِصْنِ، فَتَرَّسَ بِهِ نَفْسَهُ، فَلَمْ يَزِلْ فِي يَدِهِ وَهُوَ يُقَاتِلُ حَتَّي فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ

''کہ اچانک آپ پر ایک یہودی نے وار کر کے آپ کے ہاتھ سے ڈھال گرا دی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا ایک دروازہ اکھیڑ کر اسے اپنی ڈھال بنا لیا اور اسے ڈھال کی حیثیت سے اپنے ہاتھ میں لیے جنگ میں شریک رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر فتح عطاء فرما دی''۔

عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه: أَنَّ عَلِيًّا رضي الله عنه حَمَلَ البَابَ يَوْمَ خَيْبَرَ حَتَّي صَعِدَ المُسْلِمُوْنَ فَفَتَحُوْهَا وَأَنَّهُ جُرِّبَ فَلَمْ يَحْمِلْهُ إِلَّا أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا

''حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے روز حضرت علی ؓ نے قلعہ خیبر کا دروازہ اٹھا لیا یہاں تک کہ مسلمان قلعہ پر چڑھ گئے اور اسے فتح کر لیا اور یہ آزمودہ بات ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی مل کر اٹھاتے تھے''۔

شاہ مرداں ، شیر یزداں ، قوتِ پرودگار
لا فتیٰ ' الا علی ؓ ، لا سیف الا ذوالفقار

اصحابِ رسول نے بطور خاص اس واقعہ کو بیان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ علی ؓ کی ادائیں، علی ؓ کی وفائیں تاریخ کے جبر کے باوجود مٹائی نہ جا سکیں ۔ علی ؓ کو عاشقوں کے سینوں، ذہنوں اور دلوں سے مٹایا نہ جا سکا اور مٹایا بھی نہ جا سکے گا۔ علی ؓ کی قوت و طاقت سے اسلام ہمیشہ ہی مضبوط و توانا رہا ہے ۔ علی ؓ تو علی ؓ ہے، دشمنانِ اسلام تو اولادِ علی ؓ کی قوت و طاقت سے بھی ہمیشہ خائف رہے ہیں۔

8۔ اللہ اور رسول ﷺ کی حضرت علی ؓ سے محبت

زیر مطالعہ روایتِ عشق و محبت کا یہی بنیادی نقطہ اور عمود ہے جس کے اظہار اور بشارت کے لیے یہ سارے اہتمامات فرمائے گئے کہ علی ؓ محبوبِ محبوب ربّ العالمین ہے، علی ؓ وہ ہستی ہے جس سے خالق و مالک کائنات بھی محبت کرتا ہے اور وہ تمام انبیاء و مرسلین کے سردار ﷺ کی بھی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

آقائے رحمت ﷺ نے بطور خاص ارشاد فرمایا کہ جسے کل جھنڈا عطا کیا جائے اُس میں دو خوبیاں اور اوصاف بہت نمایاں ہیں:

1۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے
2۔ اللہ ربّ العالمین اور اس کا رسول ﷺ بھی اُس سے محبت کرتے ہیں

شوق مچلتا ہے کہ اس بحرِ سمندر میں غوطہ زنی کی جائے کہ مولا علی ؑ کی اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کے انداز اور مظاہر تلاش کیے جائیں اور اللہ و رسول کے مولا علی ؓ پر احسانات و انعامات کی بھی جستجو کی جائے مگر طوالت کا خوف پیش نظر ہے۔ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ

یہودی کہتے ہیں کہ ہم سرخ گائے ذبح کرنے جا رہے ہیں اور پھر اُن کا حمایتی بن کر دجال آ جائے گا تو وہ خوب جان لیں اور مؤمن بھی اعتماد رکھیں

کہ خیبر سے غزہ تک، مرحب سے دجال تک
کہ کبھی علی ؓ خود ہیں اور کبھی ان ظالموں کا خاتمہ کرنے کے لیے آلِ رسول میں سے سیدہ پاک و علی کا شہزادہ مہدی ؓ ہوگا
امام علی ؓ سے لے کر امام مہدی ؓ تک ۔۔۔۔ سب کے سب اللہ و رسول سے محبت کرتے ہوں گے
اور سارے کے سارے اللہ و رسول کے بھی محبوب ہوں گے۔

ہم فقر مست چاہنے والے علی ؓ کے ہیں
دل پر ہمارے صرف اجارا علی ؓ کا ہے
آثار پڑھ کے مہدی ؓ دوراں کے یوں لگا
جیسے ظہور وہ بھی دوبارہ علی ؓ کا ہے

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

صدرِ محترم، حضرات علمائے کرام، مشائخ عظام اور میرے پیارے محترم عزیز سامعین! اللہ تعالیٰ آپ حضرات پر ہمیشہ اپنی رحمتوں کی بارشیں فرمائے۔ آمین

نہایت مختصر وقت میں چند گزارشات پیش کروں گا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کوئی غیر معروف نہیں۔ دنیائے علم کے آفتاب و ماہتاب ہیں، آپ کے مخالفین نے بھی آپ کے علمی اور تحقیقی مقام کو تسلیم کیا ہے۔ عام طور پر یہ کہا گیا ہے کہ کفر کا فتویٰ لگانے میں جلد بازی سے کام لیتے تھے لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی ایسی بات پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا، جس پر ان کے مخالفین اور معترضین کفر کا فتویٰ نہ دے چکے ہوں۔ کوئی شخص قیامت تک ایسی کوئی بات ثابت نہیں کرسکتا کہ جس بات پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کفر کا فتویٰ لگایا ہو، مخالفین کے نزدیک بھی کفر نہ ہو۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ ''اشد العذاب'' جو مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی کا ایک رسالہ ہے، انہوں نے اس میں اعتراف کیا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب ان باتوں کو کفر سمجھتے ہوئے کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہوجاتے۔

یہ تو ایک بڑا تعصب ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اس قسم کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم! اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق اور محتاط عالم میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہمارے علم کے گوشوں میں اس کا کوئی تصور ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ امام الطائفہ (مولوی اسماعیل دہلوی) کی تکفیر میں بھی کف اللسان فرمایا اور یہ کمال احتیاط اور کمال حزم کا تقاضا تھا۔

ہمارے لیے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام کیا ہے؟ محترم سامعین! وہ پیغام محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور اسی محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے اپنے ترجمہ قرآن پاک میں بھی ملحوظ رکھا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ''وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی'' کا ترجمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔'' اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ''ضال'' کا ترجمہ ''خود رفتہ'' فرمایا۔ بعض دوسرے لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ''آپ کو گمراہ پایا'' استغفر اللہ۔ لیکن یہ الفاظ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار نہیں فرمائے۔ لفظ ''ضال'' میں گم ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ عربی کا محاورہ ہے ''ضل الماء فی اللبن'' پانی دودھ میں گم ہوگیا اور ''خود رفتہ'' کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ پیارے محبوب ہم نے آپ کو اپنی محبت میں گم پایا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی احتیاط سے ترجمہ فرمایا اور یہ اس بات کی دلیل ہے اور حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ امت محمدیہ کے بڑے محسن ہیں اور ہدایت کی راہیں ہمارے لیے کھول دیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کا موقع عطا فرمائے۔

میں آپ کو بتاؤں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جو پیغام ہے وہ محبت رسول ہے۔ مجھے کسی نے کہا کہ بھئی اگر محبت رسول دیکھنی ہو تو بریلی چلا جا اور اگر اتباع رسول کا نقشہ دیکھنا ہو تو دیوبند چلا جا۔ میں نے کہا کہ بھئی آپ نے اتباع و محبت دونوں کو الگ کر دیا۔ خدا کی قسم! اتباع محبت سے الگ نہیں ہے اور محبت اتباع سے الگ نہیں ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اتباع محبت سے الگ کوئی چیز ہے تو وہ غلط سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے محبوب! آپ کہہ دیجئے کہ ''اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ'' اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو ''فَاتَّبِعُوْنِیْ'' تو میری اتباع کرو، میری پیروی کرو، تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ''یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔ ''وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ'' اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔ ''وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'' اور اللہ تو بہت ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا: اے میرے محبوب! آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہیں اللہ کی محبت ہے تو تم میری اتباع کرو۔ یہ کس کو فرمایا: ''قل'' کا مخاطب تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخاطب کون ہے؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ فرمایا ''اِنْ کُنْتُمْ'' ''کُنْتُمْ'' یہ جمع مخاطب کا صیغہ ہے اور اس کے مخاطبین کون ہیں؟ یعنی ''کُنْتُمْ'' کا مصداق کون ہے؟ وہ کون ہیں جن کو اللہ فرماتا ہے کہ ''اِنْ کُنْتُمْ'' اے میرے پیارے کہہ دے اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو کیا کرو؟ ''فَاتَّبِعُوْنِیْ'' میری اتباع کرو۔

تو میں آپ کو بتاؤں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایمان والے کو مخاطب نہیں فرمایا بلکہ حضور تاجدارِ مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کریمہ میں یہودیوں کو مخاطب فرمایا، نصرانیوں کو مخاطب فرمایا، اہلِ کتاب کو مخاطب فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے مخاطب نہیں۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دو جملے فرمائے۔ ایک جملہ شرطیہ ہوگیا۔ ''اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ'' اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تم کیا کرو ''فَاتَّبِعُوْنِیْ'' میری اتباع۔ تو معلوم ہوا کہ کچھ ایسے لوگ تھے جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں کرتے تھے۔

اب دیکھیے وہ کون لوگ تھے جو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں کرتے تھے۔ کیا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں؟ کیا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں؟ کیا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ مومنین ہو سکتے ہیں؟ کیا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ صحابہ کرام، اہلِ بیت، ازواجِ

مطہرات ہوسکتے ہیں؟ کیا وہ مومنین ہوسکتے ہیں؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ ارے یہ تو وہ لوگ ہیں جو کہا کرتے تھے "نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ" یہ وہ لوگ ہیں جو اہلِ کتاب ہیں، جو خدا کی محبت کے دعویدار تھے، مگر حضور ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ حضور تاجدارِ مدنی ﷺ کی اتباع سے گریز کرتے تھے۔

تو اب یہ آیت ہی غلط چسپاں کی جارہی ہے۔ آیت تو نازل ہوئی کافروں کو خطاب کرنے کے لیے اور چسپاں کی جارہی ہے ہم اہلِ سنت پر۔ عجیب تماشہ ہے۔ اس کا فیصلہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پہلے فرما گئے، بخاری شریف کی جلد ثانی میں یہ مشہور حدیث موجود ہے کہ

كان ابن عمر ير اهم شرار خلق الله لانهم انطلقوا الى آيات نزلت فى الكفار فجعلوها على المؤمنين

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خوراج خدا تعالیٰ کی زمین پر بدترین مخلوق ہیں۔ کیونکہ جو آیتیں کافروں کے حق میں اتری ہیں وہ ایمان والوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ بھئی ایمان سے کہنا "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی تمام آیتیں کافروں کے حق میں اتریں یا نہیں۔ یقینا کافروں کے حق میں اتری ہیں۔ ارے "من دون الله" کی عبادت کون کرتا تھا؟ کوئی مسلمان "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا عابد تھا؟ یقینا نہیں۔ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ" بھئی لات و منات، یعوق و نسر، اساف و نائلہ اور ہبل کی پوجا کرنے والے کون تھے؟ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی تمام آیتیں نازل تو ہوئیں کافروں کے حق میں مگر چسپاں ہو رہی ہیں آج حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ماننے والوں پر۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا قرآن حکیم میں فقط "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی آیتیں ہیں "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی آیتیں تو پڑھتے ہو مگر باذن اللہ کی آیتیں بھی تو پڑھو، میرا سارے قرآن پر ایمان ہے۔ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب کیا ہے؟ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کا اذن نہ ہو، اللہ کا حکم نہ ہو، اللہ کا ارادہ نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا، ہمارا یہ ایمان ہے۔ (بے شک) حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ بے شک ہمیں فیض پہنچاتے ہیں لیکن اللہ کے اذن سے، اللہ کے ارادے سے، اللہ کی مشیت کے تحت، اللہ کے حکم سے۔ اور "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ارادہ نہ ہو، اللہ کی مشیت نہ ہو اور کوئی کچھ کردے، اللہ تعالیٰ نہ چاہے اور کوئی کچھ کرے۔ ارے "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" سے تو تنکا بھی نہیں ہل سکتا، لیکن باذن اللہ سے تو مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارا ایمان "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کی آیتوں پر بھی ہے اور باذن اللہ کی آیتوں پر بھی ہے یہ نہیں کہ "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" یعنی بعض آیتوں پر ایمان لاؤ بعض کے ساتھ کفر کرو، یہ ہمارا کام نہیں، ہم سارے قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، سارا قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اس آیت میں "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ" کے مخاطب تو یہودی اور نصرانی ہیں، وہ خدا کی محبت کے دعوے دار تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر میری محبت کا دعویٰ ہے تو میرے محبوب کے دامن سے لپٹ جاؤ، دعویٰ محبت کا اور پھر اتباع میرے محبوب کی نہیں کرتے، ان کو رسول نہیں مانتے، ان کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے اور ان کی اداؤں کے سانچے میں نہیں ڈھلتے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تو حضور ﷺ پر ایمان بھی لائے ہیں اور حضور ﷺ کی اداؤں کے سانچے میں بھی ہم ڈھل گئے، داڑھیاں ہماری دیکھو، نمازیں ہماری دیکھو، جبہ ہمارا دیکھو، لباس ہمارا دیکھو اور یہ ہمارا دینی کام، مشاغل، مدارس، تقریر و تحریر، وعظ، فتویٰ یہ سب دیکھو لہٰذا ہم تو اللہ کے رسول کی اتباع کرنے والوں میں شمار ہوں گے، تو اس کے متعلق ایک بات آپ کو بتا دوں، میرے دوستو اور عزیزو! خوب سمجھ لیجیے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ میرے محبوب آپ فرما دیجیے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو تم میری اتباع کرو۔ سن لیجیے "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ" یہ جملہ شرطیہ ہے اور "فَاتَّبِعُوْنِيْ" یہ جملہ جزائیہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اتباع شرط محبت کی جزا ہے اور جب شرط نہ ہو تو مشروط کہاں سے لایا جائے گا، جب شرط نہ ہو تو جزا کہاں سے آئے گی، پتہ چلا کہ جب تک محبت نہ ہو تو اتباع ہو ہی نہیں سکتی، یعنی جب تک اللہ کی محبت نہ ہو، رسول کی اتباع نہیں ہوسکتی۔ آپ کہیں گے کہ یہاں تو اللہ کی محبت کی بات کی جارہی ہے، رسول کی محبت کی بات تو نہیں ہے، تو میں کہوں گا کہ اللہ کی محبت کو رسول کی محبت سے الگ کر کے مجھے دکھا دو، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اللہ کے کلام کو رسول کے قول سے الگ کر کے مجھے دکھا دو۔ قرآن سب اللہ کا کلام ہے یا نہیں؟ قرآن نے کہا "اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ" یعنی کلام میرا ہے مگر جب تک میرا رسول نہ کہے تو تمہیں کیا پتا چلتا کہ میرا کلام کیا ہے؟

عزیزان گرامی!

محبت کا مرکز حسن ہے خوب یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار کائنات کو اپنے حسن کا آئینہ بنایا، ہر قطرے میں اسی کا حسن چمک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر ذرے کو اپنی ہستی کی نشانی قرار دیا اور تمام حقائق کائنات کو اپنی الوہیت کی دلیل میں پیش کیا اور فرمایا:

"سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ"

یعنی تمام آفاق عالم میں ہم اپنی قدرت کی نشانیاں اور اپنی معرفت کی دلیلیں اور اپنی ہستی کا ثبوت تمہیں پیش کریں گے۔ ہر ذرہ میری ہستی کی دلیل ہے، ہر ذرے سے میری معرفت حاصل کرو۔

میرے دوستو!

اٹھارہ ہزار کائنات میں خدا کے حسن کے جلوے پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر خدا نے ان سارے جلوؤں کو سمیٹ کر ایک انسان کے دامن میں رکھا، انسانیت کا حسن بھی پھیلا ہوا تھا، تمام جہانِ انسانیت کے حسن کو سمیٹا اور ایک نبی کے دامن میں رکھ دیا، نبوت کی کائنات بھی پھیلی ہوئی تھی، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک لاکھ یا دو لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے، تمام انبیاء کے اندر وہ حسن سمٹ کر آیا اور دنیائے نبوت کے حسن کو سمیٹا تو رخسار مصطفی ﷺ میں رکھ دیا اور پھر کیا کہوں۔

رخ مصطفی ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

اگر تم نے خدا کے حسن کو چمکتا ہوا دیکھنا ہے تو مصطفیٰ ﷺ کا جمال دیکھ لو۔ میرے دوستو! محبت کا مرکز حسن ہوتا ہے اور حضور ﷺ کی ذات مرکز حسن الوہیت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اَنَا مِرْاٰةُ جَمَالِ الْحَقِّ" یعنی میں تو جمال حق کا آئینہ ہوں۔ نتیجہ کیا نکلا کہ جب محبت کا مرکز حسن ہے اور خدا کے حسن کی جلوہ گاہ حضور ﷺ کی ذات مقدسہ ہے۔ تو محبت اسی مرکز حسن کی طرف جائے گی اور جب تک محبت وہاں نہ جائے تو محبت پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ اب بتاؤ رسول کی محبت خدا کی محبت سے الگ کیسے ہو؟ اور حضور کا حسن کیا ہے؟ ارے حضور کا حسن خدا ہی کا تو حسن ہے۔ بھئی بتاؤ! یہ خدا تعالیٰ کی صفات خدا کا حسن ہیں یا نہیں؟ اللہ کا علم، اللہ کی قدرت، اللہ کا اختیار، اللہ

کی سماع، اللہ کی بصر، اللہ کا کلام، اللہ تعالیٰ کی حیا، یہ کیا ہیں؟ یہ اللہ کا حسن ہی تو ہیں۔ پھر بتایئے کہ حضور ﷺ کے اندر کس کا علم چمکا؟ ارے خدا تعالیٰ کا علم ہی تو حضور ﷺ کے اندر چمک رہا ہے اور خدا کی قدرت، خدا کا اختیار حضور ﷺ کے اندر چمک رہا ہے۔ رحمت خدا کی ہے مگر اس کا ظہور حضور کی ذات میں ہو رہا ہے۔ قرآن نے کہا، "وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ کُلَّ شَیْءٍ" اور "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔ اللہ نے اپنے حسنِ رحمت کا آئینہ اپنے محبوب کو بنایا، اپنے علم، اپنی قدرت، اپنی سمع، بصر اور اپنے رؤف ورحیم ہونے کا آئینہ اپنے محبوب کی ذات کو بنایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حسن کی جلوہ گاہ محمد مصطفی ﷺ کی درسگاہ ہے۔ لہٰذا جب تک حضور کی محبت نہ ہو، خدا کی محبت ہو ہی نہیں سکتی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا کہ "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَا اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْا اللّٰہَ" یا "فَاَطِیْعُوا اللّٰہَ" چلیے اتباع کے بارے میں یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ بھئی اتباع جو ہے وہ تو نقش قدم کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ اس لئے "فَاتَّبِعُوا اللّٰہَ" نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نقش قدم پر چلنا ممکن ہی نہیں۔ لیکن اطاعت تو نقش قدم سے پاک چیز ہے، لہٰذا "فَاَطِیْعُوا اللّٰہَ" فرمادیا جاتا۔

"فَاتَّبِعُوْنِیْ" اس لیے فرمایا کہ تمہارے سامنے میرا کھانا، میرا پینا، میرا سونا، میرا بیٹھنا، میرا چلنا پھرنا یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ میں ان صفات سے پاک ہوں۔ "تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا"۔ اب جیسے میرا محبوب کھائے، ویسے تم کھاؤ، جیسے وہ چلے، ویسے تم چلو یعنی ان کی اداؤں کے سانچے میں ڈھل جاؤ، یہ بات مصطفیٰ کی ذات میں تو ہوسکتی ہے لیکن خدا کی ذات پاک تو ان چیزوں سے بلند و بالا ہے۔ جو کچھ میرا محبوب کرے گا وہ میرے ہی حکم کی تعمیل ہوگی۔ جس نے رسول کی اتباع کر لی اس نے میری اطاعت کر لی۔ "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ"۔ لہٰذا خدا کی محبت رسول کی محبت ہے اور رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔

عزیزانِ گرامی!

تو میں کہہ رہا تھا کہ بغیر محبت کے اتباع نہیں ہوتی، کیونکہ محبت شرط ہے اور اتباع جزا ہے اور شرط کے بغیر جزا ہو نہیں سکتی۔ لہٰذا جب تک محبت نہ ہو اتباع نہیں ہوسکتی، اب آپ کہیں گے بھئی وہ تو کہتے ہیں کہ ہمیں محبت ہے، آپ کہتے ہیں ہمیں محبت ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی بات مانیں یا آپ کی بات مانیں؟

عزیزانِ گرامی!

میں ایک بات آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ محبت کی بہت سی نشانیاں ہیں، مگر میں جامع بات عرض کرتا ہوں کہ صرف دعویٰ محبت بے معنی چیز ہے جب تک اس کے وجود پر کوئی ثبوت نہ ہو۔ سنن ابوداؤد شریف کی حدیث ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حبک الشیٔ یعمی ویصم

یعنی "حضور اکرم ﷺ نے فرمایا محبت والی آنکھ محبوب کا عیب دیکھنے سے اندھی ہو جاتی ہے اور محبت والا کان محبوب کا عیب سننے سے بہرا ہو جاتا ہے"۔

یہ محبت کا کارنامہ اور محبت کا کرشمہ ہے کہ محبوب کا عیب دیکھنے سے محبت آنکھ کو اندھا بنا دیتی ہے اور محبوب کا عیب سننے سے محبت کان کو بہرا بنا دیتی ہے لیکن یہ تو اس وقت ہے جبکہ واقعی کوئی عیب ہو اور جہاں عیب ہی نہ ہو؟ دیکھیے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو "محمد (ﷺ)" بنایا، سورۂ "محمد" میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"۔ حضور کا نام "احمد" بھی ہے۔ حضور ﷺ کے بہت سے نام ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ کے چار سو سے زائد نام لکھے ہیں۔ حضور کا ہر نام ایک صفت پر دلالت کرتا ہے، ہر نام ایک کمال پر دلالت کرتا ہے اور جتنے کمالات زیادہ ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اتنے اسماء زیادہ ہوں گے۔ ناموں کے زیادہ ہونے سے نام والا زیادہ نہیں ہوتا، نام والا ایک ہی رہتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لی اسمآء انا احمد و انا محمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ من الکفر و الشرک وانا الحاشر وانا الذی یحشر الناس علی قدمی وانا العاقب"

فرمایا، "میرے بہت سے نام ہے، میں احمد بھی ہوں، میں محمد بھی ہوں اور ایک حدیث جسے شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب اللدنیہ میں نقل کیا، اور یہ حدیث مسند ابو یعلی یا مسند ابن حبان میں بھی میری نظر سے گزری۔

قال رسولا اللہ ہ صلی اللہ علیہ وسلم انا احمد فی السماء و محمد فی الارض

فرمایا: "میں آسمانوں میں احمد ہوں، زمینوں میں محمد ہوں"۔

یہ حدیث مرفوع ہے۔ اس کا مطلب یہ سمجھنا کہ حضور ﷺ کا نام محمد آسمانوں میں بالکل ہے ہی نہیں اور اسی طرح زمینوں میں حضور ﷺ کا نام نامی احمد بالکل نہ ہو۔ یہ بات نہیں، بات یہ ہے کہ آسمانوں میں زیادہ مشہور نام احمد ہے اور زمینوں میں زیادہ مشہور نام محمد ہے۔ قرآن پاک میں بھی حضور ﷺ کا نام احمد آیا، آپ کو معلوم ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

وَ مُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ

یعنی "میں ایسے رسول کی خوشخبری سنانے آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا"۔

یہاں اگر کوئی سوچے کہ احمد تو آسمانی نام ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس نام کے ساتھ خوشخبری دینی تھی جو زمین میں مشہور تھا اور کلمہ میں ہم پڑھتے ہیں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" تو لفظ "محمد" کے ساتھ خوشخبری کیوں نہیں دی؟ بشارت دینے کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ آنے والے کے حق میں تصدیق کی راہیں کھل جائیں اور لوگ آسانی سے تصدیق کر سکیں، تو اگر لفظ "محمد" کے ساتھ بشارت دیتے تو تصدیق کی راہیں بالکل کشادہ ہو جاتیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ "احمد" کے ساتھ بشارت دی اور اس میں ابہام پیدا ہو گیا اور وہ اس لیے کہ ایک شخص غلام احمد قادیان میں پیدا ہوا۔ اس نے کہا کہ احمد تو میں ہوں، جس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دے گئے ہیں۔ "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت میں لفظ "محمد" ہوتا تو اس کو یہ موقع نہ ملتا۔ آخر ایسا کیوں ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ "احمد" کے بجائے لفظ "محمد" کے ساتھ بشارت کیوں نہ دی؟

اس کے متعلق ایک بات عرض کیے دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو آپ سمجھتے ہیں، ان کی شخصیت اور ان کی عظمت اور اہمیت کیا ہے؟ ان کی خصوصیت کیا ہے؟ ایک قاعدہ یاد رکھیے کہ ہر متکلم کا جو

کلام ہوتا ہے، وہ متکلم کی خصوصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے، جیسے خدا بے مثل ہے "لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْئٌ" خدا کا بے مثل ہونا خدا کی شان ہے، ایسے ہی اس کا کلام بھی بے مثل ہے "فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" قرآن کا بے مثل ہونا اس بات کا آئینہ دار ہے کہ خدا بے مثل ہے، ہر متکلم کا کلام متکلم کی خصوصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے، اب یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام متکلم ہیں۔ "وَمُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ" یہ آیت تو قرآن پاک کی ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے تو ان کی بشارت کی حکایت فرمائی ہے کیونکہ بشارت دینے والا اللہ تو نہیں ہے، بشارت دینے والے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ بشارت دے رہے ہیں اس رسول کی جو ان کے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا، اس کی وجہ کیا ہے؟

وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے لفظ سے بشارت دی اور بشارت میں وہ کلام کیا جو ان کی خصوصیت کا آئینہ دار ہے، اب ڈھونڈیں ان کی خصوصیات کیا ہیں؟ ان کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آسمان سے بھیجا اور حضرت مریم کے گریبان میں انہوں نے پھونک ماری اور نفخ جبریل علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے شکم میں آئے۔ بتائیے جبریل کی پھونک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں بنیادی نقطہ رکھتی ہے یا نہیں؟ نفخ (پھونک) کا تعلق کس سے ہے؟ پھونک جبریل کی ذات سے اور جبریل علیہ السلام کا تعلق کہاں سے ہے، زمین سے ہے یا آسمان سے؟ یقیناً آسمان سے ہے، تو پتا چلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بواسطہ نفخ جبریل کے آسمانی الاصل ہیں۔ بتانا یہ تھا کہ جو جہاں کا ہوتا ہے، بولی وہاں کی بولتا ہے۔ "انا احمد فی السماء و محمد فی الارض" انہوں نے لفظ "محمد" کی نفی تو نہیں کی، انہوں نے لفظ احمد کے ساتھ بشارت دی ہے اور بشارت دینے کا مقصد یہ ہے کہ میں آسمانی نام اس لیے بول رہا ہوں کہ میں خود آسمانی الاصل ہوں۔ بھئی پنجاب کا رہنے والا پنجابی بولے گا، سندھ کا رہنے والا سندھی بولے گا، بنگال کا رہنے والا بنگالی بولے گا، عرب کا رہنے والا عربی بولے گا، زمین کا رہنے والا زمین کی بولی بولے گا اور جس کی اصل آسمان کی ہوگی وہ آسمانی بولی بولے گا۔

"انا احمد فی السماء و محمد فی الارض"

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو "احمد" بھی بنایا اور "محمد" بھی بنایا۔ لفظ "احمد" اور "محمد" دونوں حضور کے ذاتی نام ہیں۔ وقت کی قلت کی وجہ سے میں اس پر اب زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ لفظ "حمد" کا مادہ کیا ہے؟ ح، م، د، حمد کا مادہ ہے یا نہیں؟ اور جب الف لام لگایا تو "الحمد" مصدر ہو گیا۔ یہ تو ہے مدلل اور جب اس کو مزید کیا تو "التحمید" بن گیا۔ لفظ "محمد" اسم مفعول کا صیغہ اور اس کے معنیٰ اسم مبالغہ کے ہیں۔ اس کا مصدر "التحمید" ہے اور تحمید کس سے بنا ہے؟ "احمد" سے بنا ہے کیونکہ "الحمد" تھا مجرد اور "التحمید" ہوا مزید۔

یہ تمام علماء بیٹھے ہیں، علماء سے پوچھیں کہ مجرد کو جب مزید بنایا جائے تو کس حکمت کے لیے بنایا جاتا ہے؟ زیادتی لفظ زیادتی معنیٰ پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ معنیٰ کو زیادہ کرنا ہو تو لفظوں کو زیادہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے "قطع" کے معنیٰ ہیں کاٹ دیا، توڑ دیا یا ایک چیز کو آپ دو ٹکڑے کر دیں تو کہا جائے گا، قطع کر دیا اور اگر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ٹکڑے کرتے چلے جائیں تو پھر قطع نہیں کہیں گے پھر "قطاع" کہا جائے گا۔ تو جب معنیٰ کو بڑھانا ہو تو لفظوں کو بڑھاتے ہیں۔ زیادتی لفظ زیادتی معنیٰ پر دلالت کرتی ہے۔ تو حمد سے تحمید بنا اور تحمید سے "محمد" بنا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ الحمد سے "محمود" مشتق ہوا اور التحمید سے "محمد" مشتق ہوا۔ "محمود" الحمد سے بنا اور "محمد" التحمید سے بنا۔ "محمد" کے معنیٰ علماء نے لکھے "**الذی حمد مرة بعد مرة و الذی حمد کرة بعد کرة**" یعنی جس کی بار بار تعریف کی جائے اور جس کی بے شمار تعریف کی جائے وہ "محمد" ہوتا ہے۔ جس کی بار بار حمد کی جائے، جس کی بے شمار حمد کی جائے، جس کی بکثرت حمد کی جائے وہ "محمد" ہوتا ہے۔ "محمد" اللہ کا نام ہے یا حضور کا نام ہے؟ یقیناً حضور کا ہی نام محمد ہے اور محمود اللہ کا نام بھی ہے اور حضور کا نام بھی ہے۔ محمود کے معنیٰ ہیں حمد کیا ہوا اور محمد کے معنیٰ ہیں بار بار حمد کیا ہوا، بے شمار حمد کیا ہوا، بکثرت حمد کیا ہوا۔

اب یہاں سوچنے کی بات ہے کہ بے شمار اور بار بار حمد کس کی ہوتی ہے؟ مسلمان جب بھی نماز پڑھتا ہے تو کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ایمان سے کہیئے کروڑوں اربوں مسلمان چوبیس گھنٹے میں کتنی بار "الحمد" پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتنی حمد کرتے ہیں۔ بار بار حمد اللہ کی ہوتی ہے یا حضور ﷺ کی ہوتی ہے؟ ارے بار بار اور بے شمار حمد تو اللہ کی ہوتی ہے۔ تو چاہیے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا نام "محمد" رکھتا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "محمد" نہیں رکھا، اللہ نے اپنا نام "محمود" رکھا اور حضور کا نام "محمد" رکھا، آخر یہ کیا بات ہے؟ تو مجھے کہنے دیجیے، اگر کسی نے فتویٰ لگانا ہے تو لگا دے یہ میرے ذوق کی بات ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے میری بات مجھے واپس کر دے یا کسی اور کو سنا دے۔ بھئی غور سے سنیے، اصل بات یہ ہے کہ مجھے بخاری شریف کی ایک حدیث یاد آ رہی ہے، بخاری کے باب کتاب التفسیر میں وہ حدیث ہے اور "اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ" کے تحت حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہاں آپ کہیں گے کہ یہ تو ابو العالیہ کا قول ہے، حدیث کیسے ہو گیا؟ تو سنیے ہمارا اہلِ سنت کا یہ مسلک ہے بلکہ جمہور محدثین کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول فعل تقریر حدیث ہے، صحابی کا قول فعل تقریر حدیث ہے اور تابعی کا قول فعل تقریر حدیث ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضور ﷺ کی حدیث حدیثِ مرفوع ہے، صحابی کی حدیث حدیثِ موقوف ہے اور تابعی کی حدیث حدیثِ مقطوع ہے، مگر حدیث ہونے کا اعتراف تو سب کو ہے۔ حضرت ابو العالیہ کا قول پیش کرتا ہوں جو محدثین کی اصطلاح میں حدیث ہے اور بخاری شریف جلد ثانی میں موجود ہے۔ قرآن کی آیت "اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ" کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

صلوۃ اللہ ثنائہ علیہ عند الملائکۃ

یہ الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ" یعنی اللہ اپنے نبی پر صلوٰۃ فرماتا ہے۔ اللہ کی صلوٰۃ کے بہت سے معنیٰ ہیں، نور الانوار اور جمہور کی دوسری کتابوں میں آپ نے پڑھے ہوں گے لیکن حضرت ابو العالیہ نے جو معنیٰ بیان کیے ہیں، ان سے کسی اور معنیٰ کی نفی نہیں ہوتی۔ آپ فرماتے ہیں "صلوٰۃ اللہ ثنائہ عند الملٰئکۃ" یعنی اللہ کی صلوٰۃ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے نزدیک اپنے محبوب کی تعریف کرتا رہتا ہے۔ "یصلون" مضارع ہے اور مضارع میں استمرار ہے۔ اب اللہ تعالیٰ یہ صلوٰۃ کب سے فرما رہا ہے اور کب تک فرماتا رہے گا؟ کوئی ابتداء ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اس صلوٰۃ کی ابتداء کوئی بیان کر سکتا ہے اور کب تک اللہ تعالیٰ یہ کرے گا، کوئی بتا سکتا ہے کہ "صلوٰۃ علی النبی" کا یہ فعل

کب تک ہوگا اور اس کی انتہا کب ہوگی؟ اللہ اکبر اللہ اکبر

کب سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی تعریف کر رہا ہے اور کب تک کرے گا؟ کوئی نہیں بتا سکتا۔ اس میں استمرار ہے اور اللہ کی ثنا اپنے نبی پر مستمر ہے۔ دائم ہے۔ اللہ یہ ثناء کر رہا ہے اور ثناء کرتا رہے گا۔ ثناء کے معنیٰ ہیں کسی کی خوبی بیان کرنا۔ حضور ﷺ کی ثناء تو اب ختم ہو جانی چاہیے تھی۔ اتنا عرصہ گزر گیا، تعریف ختم ہو جانی چاہئے تھی لیکن ایمان سے کہیے، یہ ثناء اب بھی ہو رہی ہے یا نہیں؟ اور جاری رہے گی کہ نہیں رہے گی؟ ارے حضور ﷺ کی خوبیاں ختم ہوں تو ان خوبیوں کا بیان بھی ختم ہو۔

حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

ان کے کمالات، ان کی خوبیوں کی انتہا ہو تو بات ختم ہو، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی ثناء فرما رہا ہے، ان کی تعریف کر رہا ہے۔ "صلوٰۃ اللہ ثناءہ عند الملٰئکۃ" یہ بات ذہن میں رکھیے اور سنیے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "محمد" نہیں رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "محمود" رکھا۔ اللہ، اللہ حضرت حسان بن ثابت کے کلام میں ایک مصرعہ آتا ہے:

فذو العرش محمود وھذا محمد

عرش والا "محمود" ہے یہ "محمد" ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنا نام "محمد" کیوں نہیں رکھا۔ اپنے محبوب کا نام صرف "محمود" رکھ دیتا اور اپنا نام "محمد" رکھ لیتا لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ "محمد" فقط حضور کا نام ہے۔ اللہ کے ناموں میں کہیں "محمد" نہیں ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ لفظ "محمد" کے جو معنی ہیں وہ ہم اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ "محمد" کے معنیٰ ہیں بہت تعریف کیا ہوا۔ تو ہم مانتے ہیں کہ اللہ بہت تعریف کیا ہوا ہے۔ مانا کہ اللہ "محمد" ہے مگر لفظ "محمد" اللہ کا نام نہیں ہے، اللہ کا نام نہیں ہے، یہ نام فقط حضور کا ہے۔ اس کی وجہ آپ کو بتاؤں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری کائنات تو اللہ کی حمد کرتی ہے۔ ٹھیک ہے ناں؟ اور اللہ خود اپنے مصطفیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ارے اب خود ہی فیصلہ کر لو کہ بندوں کی حمد زیادہ ہوگی یا خدا کی حمد زیادہ ہوگی؟ کیا بندہ خدا کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ خدا تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ" مگر وہ تمام ذرات محدود ہیں۔ متناہی ہیں اور اللہ کی قسم خدا جو اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہے، وہ لا متناہی ہے۔ تو بات سمجھ میں آ گئی۔

بھئی یہ بتایئے، تعریف عیب کی ہوتی ہے یا خوبی کی؟ یقیناً تعریف خوبی کی ہوتی ہے اور عیب کی تو مذمت ہوتی ہے۔ آپ کسی کی خوبیاں بیان کرتے ہیں، جہاں عیب سامنے آ جائے گا، وہاں تعریف ختم ہو جائے گی اور حضور ﷺ کی تعریف کہیں ختم ہوتی ہے؟ ارے جہاں عیب ہو ہی نہ، وہاں تعریف کیسے ختم ہو؟ معلوم ہوا کہ یہاں عیب ہے ہی نہیں اور جو کوئی ان میں عیب تلاش کرے تو وہ محبت کی آنکھ نہیں کہلائے گی۔ یہ سمجھنے کی بات ہے کہ اتباع کا بنیادی نقطۂ محبت ہے اور محبت کا بنیادی نقطہ "حبک الشئ یعمی ویصم" ہے یعنی محبت کا کام یہ ہے کہ محبت والے کی آنکھ محبوب کا عیب دیکھنے سے اندھی ہو جاتی ہے، اسے محبوب کا عیب نظر نہیں آتا اور محبت والے کا کان محبوب کا عیب سننے سے بہرا ہو جاتا ہے اور یہ تو وہاں ہے جہاں عیب ہے اور جہاں عیب ہے ہی نہیں وہاں کسی کو عیب نظر آئے تو وہ محبت کی آنکھ کیسے ہو سکتی ہے۔ بعض لوگوں نے حضور پرنور کی پانچ غلطیاں نکالیں۔ نعوذ باللہ! ایک اور شخص نے بائیس غلطیاں قرآن سے نکالیں۔ ہائے کاش، اتنا وقت ہوتا تو میں ایک ایک آیت پڑھ کر بتاتا کہ جن جن آیتوں کو انہوں نے رسول کی غلطی کی دلیل بنایا، خدا کی قسم وہ ایک ایک آیت جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی دلیل ہے اور کمالِ محمدی (ﷺ) کی دلیل ہے۔ "عَبَسَ وَتَوَلّٰی۔ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی۔ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰی۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ۔ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ"۔ اللہ اللہ، اتنا وقت نہیں ورنہ ایک ایک آیت کریمہ تقریر کا پورا موضوع ہے اور میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان آیات کے اندر خدا نے اپنے محبوب کے حسن محبوبیت کا جلوہ ظاہر فرمایا ہے۔

آنکھ والا ترے جلوے کا تماشا دیکھے!
دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

میرے دوستو اور عزیزو!

جو قوم رسول ﷺ میں عیب نکالتی ہے اور جو کہتی ہے کہ ان کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں، جو کہتی ہے کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے، جو کہتی ہے کہ جن کا نام "محمد" یا "علی" ہے ان کو کسی چیز کا اختیار نہیں اور جو معاذ اللہ ان کو شک وشبہ میں مبتلا سمجھتی ہے، بھئی دجال کا مسئلہ عقلی مسئلہ ہے یا الہامی مسئلہ ہے؟ ارے یہ تو الہامی مسئلہ ہے۔ یہ تو وحی الٰہی سے متعلق ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی سمجھنے میں، اللہ کی وحی کی مراد جاننے میں ساری عمر شبہ میں مبتلا رہے اور دجال کے بارے میں ان کا اندیشہ ساری عمر بالکل صحیح نہ ہوا اور شک وشبہ کا شکار رہے؟ بولو، کیا رسالت کے معنیٰ یہ ہیں؟ کیا رسالت کا مفہوم یہ ہے؟ کیا رسالت کے لیے یہ بات ممکن ہے؟ متصور ہے؟ جو لوگ آج یہ کہہ رہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس نے یہ بات ثابت کر دی کہ رسول کا اندیشہ دجال کے بارے میں صحیح نہ تھا اور جو یہ کہے کہ معاذ اللہ رسول اس معاملے میں شک وشبہ میں مبتلا رہے، ایمان سے کہنا کہ اس کی نظر کیسی نظر ہے؟ کیا یہ محبت کی آنکھ ہو سکتی ہے؟ بس پتا چل گیا کہ اتباع کا بنیادی نقطۂ محبت ہے اور محبت کی دلیل محبوب کو بے عیب دیکھنا ہے۔ ارے لوگوں کو تو اپنے محبوب میں عیب ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتا اور میرے آقا تو ہیں ہی بے عیب، محبت والوں کو تو عیب بھی حسن نظر آتا ہے اور جن آنکھوں کو حسن بھی عیب ہی نظر آئے تو وہ محبت کی آنکھ کیسے ہو سکتی ہے؟ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی محبت کا پیغام ہمیں دیا اور میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اتباع بغیر حُب کے نہیں ہو سکتی اور حُب کی انمٹ نشانی یہ ہے کہ حضور کی ذات میں کوئی غلطی نظر نہ آئے۔ حضور ﷺ کے کمالات کی نفی نہ کرتا ہو، حضور ﷺ کی حیات کا نافی نہ ہو، حضور ﷺ کے کسی کمال کا انکار نہ کرتا ہو، وہ حضور ﷺ کا محب ہو سکتا ہے اور جن کی نگاہیں ہر وقت حضور کا عیب تلاش کر رہی ہیں کہ کسی بات کی لاعلمی ثابت ہو جائے، کسی بات میں معاذ اللہ حضور سے غلط کام ہونا ثابت ہو جائے، کسی بات میں اجتہادی غلطی نکل آئے، کسی بات میں ان کا کوئی عیب ظاہر ہو جائے، ارے ظالمو! جب تمہاری نگاہیں عیب جو ہیں تو پھر یہ نگاہ صدیق اکبر کی نگاہ نہیں ہو سکتی۔ یہ تو ابوجہل کی نگاہ ہے۔ بلبل کا کام کیا ہے؟ جب اڑتی ہے تو اس کی نگاہیں دیکھتی ہیں کہ پھول کہاں ہے؟ وہ پھول کو ڈھونڈتی ہوئی جاتی ہے اور کرگس کی حالت کیا ہے؟ وہ جب اڑتا ہے تو دیکھتا ہے کہ مردار کہاں پڑا ہے؟

بقیہ: صفحہ نمبر 24 پر

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری

ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری

سرزمینِ حرم کے خوش نصیب زائرین حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ رسول ﷺ کی سعادتیں حاصل کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہیں یا لوٹ چکے ہیں۔اس دیارِ نُور میں گزرے ہوئے مقدس لمحے، متبرک گھڑیاں، روشن دن اور منور راتیں ہر زائر کے لیے سرمایۂ زندگی ہیں۔اب خبر نہیں دوبارہ کون اذن حضوری پائے گا اور کون انتظار کے چرکے سہنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ کون وصال کی معراج سے پھر ہمکنار ہوگا اور کون فراق کے صدمے جھیلے گا۔ ہر کسی کا اپنا اپنا درد ہے۔اپنا اپنا سوز ہے۔اپنی اپنی کیفیت ہے۔کوئی کہتا ہے:

چھوڑ آیا ظہوری میں دل و جان مدینے میں
اب جینا یہاں مجھ کو دشوار نظر آئے

اور کوئی یوں لب کشا ہوتا ہے:

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسن
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

گویا درِ رسول ﷺ کی حاضری زندگی اور وہاں سے دُوری موت ہے۔کسی کا تصوّر یوں کہتا ہے کہ:

یادیں بھی مدینے کی باتیں بھی مدینے کی
بلوائیں گے پھر آقا یہی آس ہے جینے کی

یقیناً اپنے آقا و مولا ﷺ کے عشاق کا اسلوبِ حیات یہی ہے کہ وہ زندگی کا لمحہ لمحہ یادِ حبیب ﷺ میں بسر کرتے ہیں ان کے دربار گوہر بار کی حاضری کے تمنائی اور منتظر رہتے ہیں اور پھر منتظر رہیں بھی کیوں۔۔۔ کہ ان کے پروردگار کا یہی حکم ہے کہ میرے محبوب رسول ﷺ کے غلام بن کے رہو۔ فرماں بردار بن کے جیو۔ مجھ سے محبت کے دعویدار ہو تو میرے حبیب کے غلام بنو۔تم ان کے غلام بنو گے تو میں تمہیں اپنا محبوب بنالوں گا۔ جو کچھ میرا حبیب تمہیں عطا کرے وہ لے لو اور جس بات سے یہ منع کرے اس سے رک جاؤ۔ انسانوں کے خالق و مالک نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ نافرمانی اور گناہ ہو جانے کی صورت میں اس کا علاج بھی بتایا ہے۔اندھیروں سے نکلنے کا روشن راستہ بھی سمجھایا ہے۔

ارشاد باری ہے:

''اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آ جاتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا پاتے''۔

64:4 (النساء، ۴:۶۴)

اس آیت کی تفسیر میں حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر (متوفی 774ھ) نے لکھا کہ اس آیت میں عاصیوں اور گناہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب اُن سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ کے پاس آئیں اور آپ کے پاس آ کر استغفار کریں اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

اسی آیت کے ضمن میں ابن کثیر کے علاوہ تفسیر قرطبی، تفسیر بحر المحیط، اور تفسیر مدارک وغیرہ میں محمد بن حرب (متوفی 228ھ) کے حوالے سے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک اعرابی قبر رسول ﷺ پہ حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا:

''السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے۔''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ'' اور میں آپ کے پاس آ گیا ہوں اور اپنے ربّ کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں۔

پھر اس نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یوں ہے:

''اے وہ جو زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں، جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے۔ میری جان اس قبر پہ فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں۔اس میں عفو ہے، اس میں سخاوت ہے اور لطف و کرم ہے''۔

پھر وہ اعرابی چلا گیا۔ابن حرب کہتے ہیں کہ میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی۔آپ نے مجھے فرمایا: اس اعرابی کے پاس جا کر خوش خبری دو کہ اللہ نے اسے معاف کر دیا ہے۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی نے لکھا۔

''کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں، آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو، آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہو سکتا ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔''

(آبِ حیات بحوالہ تفسیر البیان علامہ غلام رسول سعیدی)

عقیدہ حیاتُ النبی ﷺ کے بارے میں حکیم الامت علامہ اقبال خان نیاز الدین خان کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۴ جنوری 1922ء میں لکھتے ہیں:

''میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوا کرتے تھے لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقاید کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار گزرتا ہے اس واسطے خاموش رہتا ہوں''

(کلیاتِ مکاتیبِ اقبال)

عصر حاضر کے عظیم مفسر حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری بھی اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''حضور اکرم شفیع المذنبین ﷺ کی یہ برکت حضور کی ظاہری زندگی تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تا ابد ہے۔اہلِ دل اور اہلِ نظر ہر لمحہ

اور ہر آن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں"۔
(تفسیر ضیاء القرآن)

اس لیے پوری اسلامی تاریخ میں سوائے کسی شاذ و نادر عالم کے مفسرین ومحدثین اور ائمہ دین کا اس بات پہ اتفاق رہا ہے کہ دربار رسول ﷺ کی حاضری بہت بڑی نیکی ہے اور نیکی کیوں نہ ہو کہ خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے امتیوں کو اپنے باب کرم پہ حاضری کی ترغیب دی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی" (جامع الصغیر: کتاب الشفا)۔

"جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"۔

"جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت سے مشرف ہوا تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"۔ (کنز العمال)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے میرے ساتھ جفا کی لہٰذا کس قدر بدقسمت، شقی القلب، بے وفا اور ناشکرا ہے وہ شخص جو حضور ﷺ کا امتی ہو کر آپ کے قدموں کی حاضری کو بے فائدہ جانتا ہو اور وہاں حاضر نہ ہوتا ہو۔ نہ صرف حاضر نہ ہوتا ہو بلکہ حاضر ہونے والے مسلمانوں کو مشرک و بدعتی یا گمراہ خیال کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

"تاریخ مدینہ" کے مصنف جناب محمد عبدالمعبود صاحب نے تاریخ المدینۃ المنورہ میں امام الائمہ امام ابن الھمام کا قول نقل کیا:

"ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیارت قبر اطہر افضل مندوبات میں سے ہے، جو آدمی زیارت کی قدرت اور وسائل کا متحمل ہو اس کے لیے واجب کے قریب کا درجہ رکھتی ہے۔ میرے نزدیک صرف قبر النبی ﷺ کی نیت کرنی چاہیے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو اور زیارت کی سعادت نصیب ہو تو قبر مبارک اور مسجد نبوی شریف دونوں کی نیت کر لی جائے کیونکہ اس میں مقصودِ کائنات ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور رفعتِ شان پائی جاتی ہے۔ صرف قبرِ مقدس ہی کی نیت کرنا آپ کے اس ارشاد کے عین مطابق ہے۔

"جو شخص میری زیارت ہی کے لیے آیا ہو، اس کی کوئی اور غرض نہ ہو تو میرے ذمہ لازم ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں"۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کا قول ہے کہ صاحبِ استطاعت پر زیارت روضۂ رسول ﷺ واجب ہے۔ دور صحابہ ہی سے زیارت قبر النبی ﷺ مسلمانوں کا متفقہ معمول رہا ہے۔ سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ جب وفات نبی ﷺ کا صدمہ برداشت نہ کر سکے تو انہوں نے اذان دینا چھوڑ دی تھی کیونکہ دورانِ اذان رسول پاک ﷺ کی زیارت نہ کر کے ان پر شدید رقت طاری ہو جاتی تھی اور وہ اذان مکمل نہ کر سکتے تھے۔ دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں جب وہ شام جا بسے تھے تو ایک رات خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بلال یہ کیا ظلم ہے کہ تم میری زیارت کو نہیں آتے ہو۔ بلال یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم ہماری زیارت کرو"۔ (مدارج النبوۃ)

حضرت بلال بیدار ہوتے ہی مدینہ شریف کی حاضری کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول مبارک تھا کہ جب بھی کسی سفر سے واپس مدینہ منورہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے قبر اطہر پہ حاضر ہو کر یوں سلام پیش کرتے:

السلام علیک یا رسول اللہ
السلام علیک یا ابو بکر
السلام علیک یا ابتاہ (سنن الکبری)

حضرت عمر بن العزیز رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ ہمیشہ ایک قاصد مدینہ طیبہ روانہ کرتے جو ان کی طرف سے روضہ رسول ﷺ پر سلام عرض کر کے لوٹ جاتا۔ "کتاب الشفاء" میں قاضی عیاض اندلسی نے سیدنا انس بن مالک کا ملک شام سے مدینہ منورہ قبر رسول ﷺ پہ حاضر ہونا نقل کیا ہے۔ امام تقی الدین سبکی (متوفی 746ھ) نے لکھا کہ "سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سفر صحابہ کے وسط زمانہ میں پیش آیا ان کا یہ سفر صرف قبر اطہر کی زیارت اور مقصود کائنات ﷺ کی بارگاہ جہاں پناہ میں سلام پیش کرنے کے لیے تھا"

تاریخ اسلام میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں اس دور کے مقتدر اور جید علما، مشائخ اور ائمہ نے دربار رسول ﷺ کی حاضری کو خوش بختی جان کر اختیار نہ کیا ہو۔ گزشتہ ہجری صدی کے عظیم روحانی پیشوا اور نکتہ ور فقیہ امام احمد رضا بریلوی نے تمام علماء ملت کے ذوق و شوق کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا تھا:

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے
ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

عصر نو کے منفرد اور صاحب طرز نعت نگار پروفیسر حفیظ تائب نے بھی دل کی بات کی ہے:

وہی ساعتیں تھی سرور کی وہی دن تھے حاصل زندگی
بحضور شافع امتاں، میری جن دلوں طلبی رہی

اللہ کریم ہر اہل محبت کو بار بار اس دیار نور کی حاضری نصیب فرمائے۔ آمین!

بقیہ: محبتِ رسول

میرے دوستو!

جو حضور کے دشمن ہیں، وہ عیب کا مردار ڈھونڈ رہے ہیں اور جو چمنستانِ رسالت کی بلبلیں ہیں وہ حضور کے حسن و جمال کے پھول تلاش کر رہی ہیں۔ ایک بات آپ کو بتا دوں کہ محبت کی کھلی نشانی یہ ہے کہ جب محبوب کا نام آئے تو عظمت و وقار سے گردنیں جھک جائیں۔ جب محبوب کا نام آئے تو چہرے ہشاش بشاش نظر آئیں۔ مگر وہ چہرے جو کہ حضور کی عظمت کا ذکر سنتے ہی مرجھا جائیں اور جن پر سیاہی چھا جائے، کیا وہ محبت والے کا چہرہ ہو سکتا ہے؟ اللہ اکبر۔ ارے بھئی، محبت والا جب محبوب کی بات سنتا ہے، اس کا چہرہ ہشاش بشاش نظر آتا ہے، عظمت و وقار سے اس کی گردن جھک جاتی ہے اور پھر بے اختیار اس کی زبان سے "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ" کا نعرہ نکلتا ہے اور جب پیارے مصطفیٰ کا نام آتا ہے تو بے اختیار اس کے انگوٹھے آنکھوں تک اٹھ جاتے ہیں۔ بے اختیار فرطِ محبت میں حضور کا نام اقدس چوم لیتا ہے۔ یہ تمہارا فرطِ محبت میں نام چومنا، یہ تمہارا جھومنا، یہ "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ" کا نعرہ بلند کرنا، یہ محبت کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر قائم رکھے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اسلام میں عیادت کی اہمیت واجر وثواب

صاحب زادہ ذیشان کلیم معصومی

اسلام ایک مکمل دین حق ہے اس نے اپنے ماننے والوں کی عبادات کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں بھرپور رہنمائی فرمائی ہے اسلام نے جہاں اللہ کے حقوق پورے کرنے کا حکم دیا وہاں اس نے بندوں کے حقوق کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح اسلام نے اگر کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنے کا نہ صرف حکم دیا ہے بلکہ اس عمل کی بہت اہمیت اور بڑا اجر وثواب بھی عطا کیا اور اس عمل خیر کی حیثیت صرف یہی نہیں کہ یہ اجتماعی زندگی کی ایک ضرورت ہے یا باہمی تعاون وغمخواری کا ذریعہ ہے بلکہ اسلام نے اسے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی کا دینی حق قرار دیا ہے چنانچہ میرے سرکار دو جہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں جن میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کی جائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ! اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (بندے سے) فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تم نے میری عیادت نہیں کی، بندہ عرض کرے گا اے میرے پاک پروردگار حقیقی! میں تیری عیادت کس طرح کرتا کہ آپ تو تمام جہانوں کے مالک ہیں اور بیماری سے پاک ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا! کیا تجھے معلوم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی تو اگر اس بیمار بندے کی عیادت کرتا تو مجھے (یعنی میری رضا) کو اس کے پاس پاتا یعنی تو اللہ کی خوشنودی اور رحمت کا مستحق قرار پاتا پھر نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو وہ جنت کے بالا خانے میں ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے یا اس سے ملاقات کے لیے جاتا ہے تو ایک پکارنے والا (یعنی فرشتہ) آسمان سے پکارتا ہے تم اچھے رہے تمہارا چلنا اچھا رہا تم نے جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی پاک ﷺ جب کسی مریض کے پاس جاتے تو اس کے سرہانے بیٹھتے اور اس کے بعد سات بار فرماتے ترجمہ! میں اس عظیم اللہ سے جو عرش کا ربّ ہے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفاء عطا فرمائے اور پھر فرمایا یہ دعا سات بار پڑھنے سے مریض ضرور شفاء یاب ہوگا الا یہ کہ اس کی موت ہی آگئی ہو۔ مریض کی عیادت کے لیے جائیں تو اس سے اپنے لیے بھی دعا کروائیں ابن ماجہ میں ہے کہ جب تم کسی مریض کی عیادت کو جاؤ تو اس سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرو مریض کی دعا ایسی ہے جیسے فرشتوں کی دعا (یعنی فرشتے اللہ کی مرضی پاکر ہی دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول ہوتی ہے) میرے کریم، امت کے غمخوار آقا ﷺ نے خود بھی عیادت کی اور تمام مسلمانوں کو بھی اس کی تعلیم دی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور ناحق قیدیوں کی رہائی کی کوشش کرو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے وضو کیا اور اچھا یعنی پورا وضو کیا اور پھر حصول ثواب کے ارادے سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو اس کو دوزخ سے ستر برس کی مسافت کے بقدر دور کر دیا جاتا ہے۔

حضرت مولائے کائنات خلیفہ چہارم سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ سرکار مدینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان دوسرے بیمار مسلمان کی دن کے پہلے حصے میں (یعنی دوسرے پہر سے پہلے) عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور جو مسلمان رات میں (یعنی غروب آفتاب کے بعد) عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے صبح ہونے تک رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور بہشت میں اس کے لیے باغ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ بیٹھتا نہیں ہے دریائے رحمت میں داخل رہتا ہے اور جب بیمار کے پاس بیٹھتا ہے تو دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا ہے تو پتہ چلا کی عیادت ایک بہت بڑی عبادت ہے لیکن آج کل اس نفسا نفسی کے دور میں اس عظیم عبادت سے محروم ہیں۔ یہ ہماری اپنی غفلت کی وجہ ہے یا پھر دین سے دوری کی وجہ سے لاعلم ہیں اور ہم یہ جانتے نہیں کہ چھوٹی چھوٹی یہ عبادات کتنا بڑا مقام رکھتی ہیں۔ آج کل اس سنت رسول کو اپنانے کی اشد ضرورت ہے سنت سے دوری کی وجہ سے ہم مشکلات اور تباہی کا شکار ہیں۔ ہم نے اللہ اور اس کے محبوب کریم کی مقدس تعلیمات کو بھلا دیا ہے، عیادت کر کے نہ صرف ہم اپنے عزیز دوست رشتہ دار مسلمان بھائیوں کی تکلیف کو ان کے دکھ میں شریک ہو کر کم کر سکتے ہیں بلکہ اللہ اور اُس کے محبوب کی پیاری سنت پر عمل کر کے ہم ان کو بھی راضی کر سکتے ہیں۔ اللہ ہمیں بیمار کربلا کی صدقہ ہر قسم کی بیماری سے بچائے اور اپنے بیمار مسلمان بھائیوں کی عیادت کر کے اس اجر سے بھرپور فیض لینے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے طفیل ہماری انفرادی و اجتماعی مشکلات کو حل فرمائے۔ آمین

آیئے نماز کی طرف

ملک محبوب الرسول قادری

عبادت کا معنیٰ، تابع ہوجانا ہے۔ ہر مذہب نے عبادت کا تصور دیا لیکن اسلام کا تصورِ عبادت منفرد، جامع، حسین، دل نشین، روح پرور اور انفرادی واجتماعی زندگی کے لیے مفید ہے۔ امت مسلمہ کی سب سے بڑی اور پسندیدہ معروف عبادت نماز پنجگانہ ہے کہ یہ تحفۂ معراج ہے اور یہی مومن کی معراج ہے اسی کے لیے اللہ نے ساری زمین کو پاک کر دیا۔ گویا حضور رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ و السلام فرماتے ہیں کہ وجعلت لی الارض مسجداً وطھورا ۔ (بخاری) میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے.....نماز تمام اسلامی عبادتوں کی سردار، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ اور نبی ﷺ کی مبارک آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آج ہم نماز سے متعلق مستشرقین اور غیر مسلم اسکالرز کے ویوز سے آگاہی حاصل کریں گے۔

قاہرہ سے ''المؤید'' کے نام سے شائع ہونے والے ایک معروف اور کثیر الاشاعت جریدے نے گزشتہ صدی کے ساتویں عشرے میں ایک منفرد مضمون ''الفضیلۃ الصلوٰۃ'' کے نام سے شائع کیا جس میں نماز سے متعلق غیر مسلم اسکالرز اور دانش وروں کے تاثرات شامل تھے ان میں سے چند تاثرات کو ہم اردو میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

فلاسفہ کے معروف اور فاضل رکن دیوان الیبان اسلامی عبادت ''نماز'' کے متعلق اپنا تاثر یوں بیان کرتے ہیں:

''میں نے کئی مرتبہ مسیحی و اسرائیلی نماز اور اسلامی نماز کا موزانہ کیا ہے تو ثابت ہوا کہ آخر الذکر عبادت افضل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک اسلامی نماز بہت سی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں خدا کی حمد و ثناء اور تقدیس و تمجید ہے۔ نیز دُعا اور عاجزانہ التجا ہے اور اس میں انکساری و عجز کا عجب مظاہرہ ہے۔ میں التزاماً یوم جمعہ کو اسکندریہ کی جامع مسجد میں محض اسلامی نماز کی شان دیکھنے جاتا تھا۔ میں نے جب خطیب کے پُر جوش خطبہ، صفوف کی ترتیب اور رکوع و سجود کے اہتمام پر غور کیا تو میرے قلب پر عجیب اثر ہوا جو ناقابلِ بیان ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ اسلام مجھے آواز دے رہا ہے اور اس کی عبادت کا پُر کیف نظارہ میری روح پر قبضہ کر رہا ہے''۔

(دی لیکچر آف رمیچر ص ۴۷)

''مشہور کرسچین پادری سینٹ ہیلر (روما) رقم طراز ہیں کہ:

''میں نے جہاں جہاں اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ وہاں کی عبادت گاہوں کو ضرور دیکھا۔ اس سلسلہ میں اسلامی نماز پر بھی غور کرنے کا موقع ملا۔ میرے نزدیک یہ ایک افضل ترین عبادت ہے۔ جب ایک خدا کا پجاری اپنے کاروبار سے فارغ ہوکر اس کی خوشنودی چاہتا ہے اور اس کی حمد و ثناء کے گیت گاتا ہے تو روح وجد میں آجاتی ہے۔ اس وقت یقیناً وہ اپنے مذہب سے قریب تر ہو جاتا ہے تا آنکہ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اس کے حضور میں سربسجود نظر آتا ہے۔ اس کا آخری نتیجہ روح کی طہارت اور قلب کی پاکیزگی ہے۔ مزید برآں اس عبادت میں ورزشی پہلو بھی نمایاں ہے۔ جس کا تعلق جسم کی تقویت سے ہے۔ میں نے دیکھا کہ نماز گزار سُست و کاہل نہیں ہوتے، بالخصوص صبح کی بیداری بہت اثر رکھتی ہے''۔

(دی پرے)

ریوون جیمس مولر کا کہنا ہے کہ ''تعصب سے کام لینا آسان ہے، لیکن سچ بولنا دشوار ہے۔ میں اس وقت دشوار منزل ہی کو اختیار کرتا ہوں۔ میں نے بارہا اپنے محمدی احباب (مسلمانوں) سے گفتگو کی ہے اور ان کے عقائد کی تحقیقات میں مشغول رہا ہوں۔ تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی وہ اپنے پیغبر (ﷺ) کے اطاعت گزار ہیں اور ان کی ہر شے کو محبوب رکھتے ہیں۔ مسیحی دنیا کے لیے اس محبت میں ایک خاص سبق ہے۔ بظاہر یہ عقیدہ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اکثر نمازی بھی برائیوں کی طرف مائل نظر آتے ہیں لیکن تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ وہ ہر شخص جو ہر روز پانچ مرتبہ یعنی ایک ماہ میں ایک سو پچاس مرتبہ اپنے خدائے برتر سے پرہیزگاری کا عہد کرتا اور گناہوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ وہ ایک نہ ایک دن اپنے عہد میں کامل ہو جاتا ہے، یعنی واقعی پرہیزگار بن جاتا ہے''۔

مغربی اسکالر سی ایم کینگ رقم طراز ہیں کہ

''انسان فطرتاً اس بات کا عادی ہے کہ جب دنیاوی کاموں اور مجلسی تفریحوں میں مشغول ہوجاتا ہے۔ تو اس کو اصلاح نفس کا خیال نہیں رہتا اور بعض تفریحوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی یاد سے غافل ہوجاتا ہے۔ ان حالات میں جب میں اس بات پر غور کرتا ہوں کہ اسلام نے اپنے وفاداروں پر دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے اور ان کو پابند کیا ہے کہ وہ ہر حال میں اس اہم فرض کو ادا کریں تو مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ نماز ایک بہترین ذریعۂ ہدایت ہے۔ جب سچے عقیدہ کا آدمی ہر طرف سے بے نیاز ہوکر خلوص و

محبت کے ساتھ اپنے خالق کو یاد کرتا ہے۔اس کی تسبیح وتقدیس بیان کر کے اس کی خوشنودی چاہتا ہے اور اس قادر وقدوس سے استعانت طلب کرتا ہے۔تو یقیناً اس کی روح ایک پاکیزہ حالت میں پہنچ جاتی ہے۔اور اس کے دل و دماغ سے نفس پرستی کا خبط دُور ہوجاتا ہے۔میں نے اعلیٰ پوزیشن کے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے اثر واقتدار کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور کم حیثیت آدمی ان سے بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے لیکن جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک عظیم الشان آدمی بے تابانہ مسجد میں داخل ہوجاتا ہے اور اپنے غیر معروف بھائیوں کے ساتھ فریضۂ نماز ادا کرتا ہے۔اس نظارے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بے شک اس عبادت میں سادگی وانکساری کا سبق موجود ہے اور اس میں مساوات کی شان نظر آتی ہے۔واقعہ یہ ہے کہ اسلامی رسول نے عجیب انداز سے امیر وغریب، ادنیٰ واعلیٰ کو ایک صف میں جمع کیا ہے اور مناسب طور پر غرور ونخوت کے طلسم کو پاش پاش کیا ہے۔میں تسلیم کرتا ہوں کہ نماز ایک بہترین عبادت ہے''۔

شیخ محی الدین ابن عربی سیّد شیخ اکبر سچے خواب نبوت کا حصّہ اور اسی کا فیضان ہوتے ہیں جو بندوں پر خدا کا انعام ہوتے ہیں انہیں مبشرات سے تعبیر کیا جاتا ہے ایک بشارت ملاحظہ ہو:

''حضرت محی الدین ابن شیخ عربی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ معظّمہ میں خواب میں دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس گھر کا طواف کرنے والوں سے کہو کہ وہ جب بھی طواف کریں۔بعد میں دو رکعت نماز ادا کرلیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس نماز سے ایک فرشتہ قائم کرتا ہے جو قیامت تک اللہ کی تعریف کرتا رہتا ہے۔اس کی تسبیح کرتا رہتا ہے۔لیکن مجھے شک ہو گیا کہ اللہ اکبر اور سبحان اللہ ان دونوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کونسا لفظ فرمایا تھا''۔

(مبشرات)

ترک نماز پر یوں تو قرآن وحدیث میں بہت ساری وعیدیں آئی ہیں مگر یہاں ہم ایک حکایت نقل کرتے ہیں تاکہ تارک نماز اپنے روّیے پر نظر ثانی کرے۔

فجر کی نماز چھوڑنے والے کو ملائکہ ''فاجر'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ظہر کی نماز چھوڑنے والے کو ''خاسر'' خسارہ والا کہہ کر پکارتے ہیں۔عصر کی نماز چھوڑنے والے کو ''عاصی'' (گنہگار) کہہ کر پکارتے ہیں۔مغرب کی نماز چھوڑنے والے کو ''کافر'' کہہ کر پکارتے ہیں۔عشاء کی نماز چھوڑنے والے کو ''مضیع'' (اللہ کا حق ضائع کرنے والا) کہہ کر پکارتے ہیں۔

(غایۃ المواعظ)

اس عہد کے صوفیاء میں سے مرادآباد (انڈیا) کے مشہور صوفی حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی پر اکثر اوقات جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی۔آپ فرماتے تھے ننگے سر نماز مکروہ ہوتی ہے۔نماز سے آپ کو عشق تھا۔فرمایا! سجدہ میں جاتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا قدرت بوسے لے رہی ہے۔مزید فرمایا کرتے تھے کہ جب جنت میں حوریں ملیں گی تو ان سے کہہ دوں گا کہ! اگر نماز پڑھتی ہو تو میرے ساتھ رہو ورنہ اپنا راستہ لو۔میں تو قبر میں بھی نماز پڑھنا پسند کروں گا۔

آیئے!

عہد کریں کہ ہم اسلامی عبادات کے تقدس کو بحال وبرقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کریں گے اور نماز جیسی عظیم وحسین عبادت جو غیر مسلم زعماء واسکالز کے نزدیک فنی اعتبار سے اس قدر پسندیدہ مرغوب اور دل نشین ہے تو ہم بھی اس کو اس کے ظاہری ومعنوی حسن کے ساتھ ادا کرنے کی پوری کوشش کریں گے کہ یہ اللہ ربّ العالمین کی طرف سے ہر مسلمان پر فرض ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

صحبت ٹھیک رکھو

اپنا بیٹھنا اور اُٹھنا، نشست وبرخاست، سفر وحضر اور محبت ونفرت سب میں ایک کوشش ہونی چاہیے کہ برے آدمی کی صحبت میں نہیں جانا اور نیک کی صحبت سے محروم نہیں ہونا۔اچھے آدمی کی دوستی انسان کو اچھا بنا دیتی ہے اور بُرے آدمی کی ہم نشینی آدمی کو برباد کر دیتی ہے۔شیخ سعدی کی باتوں میں بڑی منطق ہے کہ ایک مرتبہ میرے ہاتھ مٹی لگی جس میں خوشبو رچی بسی ہوئی تھی میں نے پوچھا: تیرے اندر یہ خوشبو کیسی؟ مٹی بولی یوں تو حقیر چیز ہوں لیکن پھولوں کی صُحبت نے مجھے خوشبودار بنا دیا ہے۔

گفتنی وناگفتنی سے ایک اقتباس **منجانب:** سید فضل حسین شاہ، راولپنڈی

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفی
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا ہے کلام

سید ریاض حسین شاہ

رات بھی کیا چیز ہے؟ بے رحم حالات کے تپتے وجود کے لیے نسیم راحت نواز رات ہے، پراسرار خزانوں کی امین اور سکون و اطمینان کی لوری رات ہے۔ یہ مقدر کی روشنی بھی ہے اور عبرت کا تازیانہ بھی۔ یہ بے منزل مسافروں کی آہ جگر فگار بھی ہے اور باخبر راہوں کا سوغات نور بھی۔ اس میں بنا بھی جا سکتا ہے اور ٹوٹا بھی جا سکتا ہے۔ یہ دیتی بھی ہے اور لیتی بھی ہے۔ یہ نوازتی بھی ہے اور چھینتی بھی ہے۔ یہ حقائق کا انکشاف بھی ہے اور حیرت انگیزیوں کا طلسم ہوش ربا بھی۔ اس کی خاموشیاں گیت گاتی ہیں اور اس کے نغمے سکوت بانٹتے ہیں۔ یہ ایک ہو تو ہزار مہینوں کا کیف سمیٹ لیتی ہے اور یہ ہزار ہوں تو لمحہ محشر بن جاتا ہے۔

واصف علی واصف نے کیا خوب لکھا:

''رات خود کسی معصوم کی روح ہے۔ کائنات پر محیط روح انسان سے ہم کلام ہونے کے لیے بے تاب روح انسان کو پکارتی ہے۔ نیند میں ڈوبے ہوئے انسان کو جاگنے والی رات پکارتی ہے، اس کا نام لے کر، اے غافل سن میں بول رہی ہوں، دیکھ میں جلوہ آراء ہوں، محسوس کر میں تیرے قریب ہوں اور تو نیند میں مجھ سے دُور ہے۔ بہت دُور''۔

رات کو زمین اور آسمان کے فاصلے ختم ہو جاتے ہیں یہاں وہاں کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ خاموش الفاظ بولتے ہیں۔ رات کو خوش نصیبوں کی آنکھ تر ہوتی ہے اور ان کا دل معمور ہوتا ہے۔ ان کے اذہان روشن ہوتے ہیں۔ ان پر لوح و قلم کے مخفی رموز آشکار ہوتے ہیں۔ دنیائے علم و عرفاں کے عظیم شاہکار رات ہی کی تخلیق ہیں۔

صاحبو!

آؤ! تمہیں ایک رات کی کہانی سناؤں ایک مسافر برفانی موسم کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو کر نصف شب کا سکوت سونگھتے ہوئے اوگی شہر کی ایک داخلی ڈھوک عزیز آباد میں ایک مرد حق آگاہ کے آستانہ پر حاضر ہوا۔۔۔۔۔

حضرت لالہ جی علیہ الرحمۃ نے دروازہ کھولا اور باہر نکلے فطرت نے میزبان اور مہمان دونوں پر برف پاشی کی۔ لالہ جی صاحب نے حسبِ معمول فرمایا۔ تو بہ میرے اللہ' روح کے حجابات اٹھ گئے، دل دھل گیا، وصل کی لذتوں نے جیسے شب فراق کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا ہو۔

بابا جی حضور نے پوچھا:

''کھانا کھا کر آئے ہو''۔

مہمان نے عرض کی حضور! کھانا کھایا ہے۔ صرف شعور کو نور نسبت کی ضرورت ہے۔ زمستانی غٹ رات میں آپ کی توجہ سے ایک ذرہ ناچیز ستاروں کی جھلملاہٹ سے بھی زیادہ روشنی پا سکتا ہے۔

حضرت لالہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''زمین سخت ٹھنڈی ہے اور پلنگ صرف ایک ہے اور آدمی ہم چار ہیں جب کہ لحاف بھی ایک ہے اور حجرہ کی چھت ٹپک رہی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم چاروں ایک ہی پلنگ پر لیٹ یا بیٹھ جاتے ہیں اور اللہ اللہ کرتے ہیں''۔

شکر ہے اللہ کا کہ یادیں لمحوں کی طرح دبتی نہیں اور زمان کی طرح گزرتی نہیں بلکہ باقی رہتی ہیں ہم سب اکٹھے لیٹ گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دو آدمی عبدالمجید اور جاوید تھے اور تیسرے آدمی کا نام یہ تھا کہ وہ بے نام تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ذکر کرو۔''

ہائے وہ سکوت نور افزا خاموش لمحوں میں رحمتوں کی برسات قلب و روح کی یکسوئی اور حال کی وجدانی کیفیات میں کبھی کبھی ٹھنڈی برفانی رات میں سرسوں کے تیل سے جلتے دیئے کا سہا سہا اور مدھم مدھم فتیلہ تڑ تڑ کرتا تو جیسے فرشتے روحوں کو نور کے جھولوں میں لے کر جھولے دے رہے ہوں۔ حضرت لالہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بے نام ساتھی سے پوچھتے حضرت بہاؤالدین نقشبند کا حال کیسا ہے، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا حال کہاں برس رہا ہے؟ پھر دفعتاً فرمایا دیکھو وہ دیکھو جیسے نور کا دریا جاری ہو زمین تا آسمان سوائے روشنیوں کے اور کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ صدیاں لمحوں کے آئینے میں شفاف دکھائی دے رہی تھیں اور آپ فرما رہے تھے کہ یہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا حال ہے۔

ذکر کی پرکیف ساعتوں میں اچانک آپ نے ایک ساتھی سے پوچھا: **الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** پڑھنا کیسا ہے؟ ساتھی نے کہا حضور میری تحقیق میں جائز ہے۔ حضرت تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر ارشاد فرمانے لگے کچھ علماء نے مجھ سے کہا تھا کہ یا رسول اللہ کہنا درست نہیں تو میں نے ایک رات محبت سے جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر **الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ** کے صیغوں سے درود پڑھا تو شرق تا غرب زمین کو نورِ خدا میں ڈوبا ہوا پایا۔ اس سے مجھے اندازہ یہی ہوا کہ ان علماء کی تحقیق درست ہے جو اس کے جواز پر فتویٰ دیتے ہیں، البتہ علماء کو فتنہ نہیں کرنا چاہیے حقیقت کا سراغ لگانا ہی اصل حیات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اصل شے ہے۔ ایک ساتھی نے عرض کی حضور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں ہم درود شریف کا ورد کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: درود شریف نور ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں گن کر کوئی وظیفہ یا ورد پڑھنا درست نہیں، یکسوئی اور حضوری سے درود شریف پڑھنا ترقی مدارج اور تقویت روح کا ذریعہ اور اساس ہے''۔

بقیہ: صفحہ نمبر 33 پر

حضرت امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

ڈاکٹر منظور حسین اختر

آپ کا نام نامی اسم گرامی ''علی'' جبکہ لقب ''رضا'' اور کنیت ''ابوالحسن'' ہے۔

والدہ گرامی کی کنیت ام البنین اور لقب طاہرہ تھا۔نہایت عبادت گزار بی بی تھیں۔

آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے

امام علی رضا بن حضرت امام موسیٰ کاظم، بن حضرت امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام سید الشہدا امام حسین بن حضرت امام علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین

تاریخ ولادت باسعادت

امام علی رضا علیہ السلام کی تاریخ ولادت 11 ذیقعدہ 148ھ (م 29 دسمبر 765ء) روز جمعرات یا جمعہ پر اکثر مورخین متفق ہیں۔اس لحاظ سے آپ کی ولادت کا سال آپ کے جد بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السلام کے سال شہادت کا ہم عصر ہے۔

(بحارالانوار۔روضۃ الواعظین)

لیکن بعض مؤرخین کے مطابق تاریخ ولادت 11 ربیع الاول 153ھ روز پنجشنبہ ہے۔

(عیون اخبار رضا، مروج الذہب)

خزینۃ الاصفیائی کے مصنف لکھتے ہیں:

ایک رات حضرت حمیدہ نے سرکار دو عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی کنیز نجمہ کا نکاح اپنے بیٹے موسیٰ کاظم سے کردو۔اللہ تعالیٰ اس سے ایک ایسا بیٹا دے گا جو روئے زمین کے بہترین انسانوں میں سے ہوگا۔آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب میں حاملہ ہوئی تو کبھی بھی اپنے شکم میں گرانی محسوس نہ کی اور جب میں سو جاتی تو اپنے شکم سے سبحان اللہ سبحان اللہ کی آواز سنتی جس سے میرے دل میں خوف کا غلبہ طاری ہو جاتا لیکن جب میں بیدار ہو جاتی تو پھر کوئی آواز سننے میں نہ آتی تھی۔ (خزینۃ الاصفیاء)

آپ کو اللہ نے ظاہری حسن و جمال بھی بے مثال عطا کیا تھا پہلی مرتبہ دیکھنے والا ہی محسوس کر لیتا تھا کہ یہ خاندان نبوت کا چشم و چراغ ہیں جب کسی موضوع پر سخن فرماتے تو علم کے دریا بہنے لگ جاتے۔ایک مرتبہ مامون کی مجلس میں ایک سوال کیا گیا، تو قاضیوں کی ایک جماعت جواب نہ دے سکی جب آپ نے اس سوال کا جواب ارشاد فرمادیا تو حاضرین و سامعین عش عش کر اٹھے اور علماء کو آپ کے علم و فضل اور تفقہ فی الدین کا علم ہو گیا۔خلیفہ اس قدر گرویدہ ہوا کہ اپنی بیٹی کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔(شریف التواریخ)

امام احمد رضا بریلوی نے صواعق محرقہ ابن حجر مکی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

جب امام علی رضا نیشاپور میں تشریف لائے، چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا حافظان حدیث امام ابوزرعہ و امام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھ بے شمار طالبان علم و حدیث حاضر خدمت انور ہوئے اور گڑ گڑا کر عرض کیا اپنا جمال مبارک ہمیں دکھائیے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمیں روایت فرمائیے۔ امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا پردہ ہٹائیں، خلق خدا کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں دو گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے، پردہ ہٹتے ہی خلق خدا کی وہ حالت ہوئی کہ کوئی چلاتا ہے تو کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔اتنے میں علما نے آواز دی خاموش۔ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ علما نے حدیث روایت کرنے کے بارے عرض کیا تو امام علی رضا نے فرمایا:

'' حدثنی ابو موسیٰ الکاظم عن ابیہ جعفر صادق عن ابیہ محمد ن الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ علیھم عنھم قال حدثنی حبیبی و قرۃ عینی رسول اللہ ﷺ قال حدثنی جبریل قال سمعت رب العزۃ یقول لاالہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی''۔

امام علی رضا امام موسیٰ وہ امام جعفر صادق وہ امام محمد باقر وہ امام زین العابدین وہ امام حسین وہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبریل نے عرض کی کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنا کہ لاالہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اسے کہا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا، میرے عذاب سے امان میں رہا، یہ حدیث روایت فرما کر حضرت امام علی رضا رواں ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا، حدیث لکھنے والوں کو شمار کیا گیا تو بیس ہزار سے زائد وہ افراد تھے جو اس حدیث مبارک کو لکھنے والے تھے۔

امام احمد بن حنبل نے اسی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ سند (یعنی ان آئمہ اہل بیت کے نام) اگر مجنون پر پڑھوں تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو جائے۔ (الصواعق المحرقہ)

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں اگر اصحاب کہف کے ناموں میں برکت ہے جبکہ وہ اولیاء عیسویین ہیں تو اولیاء محمدیین کا کیا کہنا، ان کے اسمائے کرام کی برکت کیا شمار میں آسکے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج9)

امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے 55 سالہ دور زندگی میں چھ خلفا بنی عباس یعنی، منصور، مہدی، ہادی، ہارون، امین اور مامون کا دور حکومت دیکھا، آپ علیہ السلام کی امامت کے ابتدائی دس سال کے دوران ہارون رشید کی خلافت تھی اس دوران بغداد میں ہارون کے ظلم

آپ کو اللہ نے ظاہری حسن و جمال بھی بے مثال عطا کیا تھا پہلی مرتبہ دیکھنے والا ہی محسوس کر لیتا تھا کہ یہ خاندان نبوت کا چشم و چراغ ہیں

وستم کا بازار گرم تھا، ہارون کا 193ھ میں انتقال ہوا اس کے بعد 10 سال ہارون کے بیٹوں امین اور مامون کا دور خلافت تھا۔

ہارون الرشید نے حضرت امام علی رضا کے والد حضرت امام موسیٰ کاظم کو زہر دے کر شہید کروایا۔ ہارون کے بعد مامون نے آپ کو اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کیا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک مامون کا حضرت امام علی رضا کو اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کرنا ایک سیاسی چال تھی تاکہ عوام کی ہمدردی مامون کے ساتھ ہو سکے۔ بہرحال مامون نے اپنے بعد آپ کو علی عہدی کے لیے بھی نامزد کیا۔

جس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا کہ آپ نے بادل نخواستہ اسے قبول کیا لیکن فرمایا کہ ایسا ہوتا نظر نہیں آتا، چنانچہ آپ کا فرمایا ہوا سچ ثابت ہوا اور عملی طور پر ایسا ممکن نہ ہوا۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ امام تمام افراد سے دانا ترین، پرہیزگار، بردباری اور دلیری، بخشش اور پارسائی میں سب سے افضل ہو۔ ان صفات کی موجودگی اس لیے بھی ضروری ہے کہ پیغمبر کے بعد وہ احکام رسالت کا اجرا کنندہ ہے اور دین کے مبہم نکات اور دقیق مسائل جو عام انسانوں کی نظر سے اوجھل رہتے ہیں ان کی وضاحت امام کی ذمہ داری ہے۔

آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ

امام علی رضا گفتگو میں بیحد نرم مزاج تھے۔ جب بات کرنے والا اپنی بات ختم کر لیتا تب اپنی طرف سے کلام کا آغاز فرماتے۔ کسی کے کلام کو قطع نہیں کرتے۔ راتوں کو کم سوتے۔ اکثر روزہ رکھتے تھے مزدور کی مزدوری پہلے طے فرماتے پھر اس سے کام لیتے۔ مشہور شاعر ابونواس نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جس کے آباء واجداد کے آستانہ کا جبرئیل خدمتگار تھا اس کی مدح محال تھی۔ عبداللہ بن مطرف بن ہامان سے مامون رشید نے امام رضا کی بابت دریافت کیا تو اس نے برجستہ کہا کہ اس کے بارے میں کیا کہوں جس کی طینت رسالت میں پیوستہ اور اس کی سرشت میں وحی ہے۔ امام رضا علیہ السلام اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں خلق پیغمبر کی ایسی تصویر تھے کہ بے اختیار رسول اکرم کا خلق یاد آجاتا تھا۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام ابن موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی مکمل طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کی آئینہ دار تھی۔ امام رضا علیہ السلام پر تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و مولائے کائنات علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تھے۔ حضرت امام علی رضا ابن موسیٰ علیہ السلام آٹھویں امام ہیں۔ سید الشہداء امام حسین ابن علی علیہ السلام کی نسل طیب و طاہر میں آپ چھٹی پشت میں ہیں۔

عہد نامہ ولی عہدی

ابوالحسن اربلی نے کشف الغمہ میں عہد نامہ ولی عہدی جو مامون رشید اور امام رضا علیہ السلام کے درمیان طے پایا مکمل متن درج کیا ہے۔ جواد معینی اور احمد ترابی نے "امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام منادی توحید و امامت" میں اس کی تفصیلات دی ہے۔ قارئین کے استفادہ کے لیے کچھ اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ مامون رشید نے بقلم خود اس عہد نامہ کو تحریر کیا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"یہ تحریر عبداللہ بن ہارون کی جانب سے اس کے ولی عہد علی بن موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہے۔ خدا نے اسلام کو ایک برگزیدہ دین کی حیثیت سے اس کی تبلیغ کے لیے پیغمبران کو مبعوث کیا تاکہ مخلوق خدا کی رہنمائی کی جائے اور بالآخر پیغمبر اکرم کو تمام انبیاء پر گواہ قرار دیا۔ جب نبوت اختتام کو پہنچی تو بندگان خدا کی مسؤلیت خلفاء اور جانشینان رسول کو منتقل ہوئی۔ عوام پر لازم ہے کہ ان جانشینوں کی اطاعت کریں تاکہ مسلمانوں کے درمیان رشتہ وحدت مضبوط ہو۔ ان جانشینوں کے لیے لازم ہے کہ احکام خداوندی پر کاربند رہیں" اس کے بعد مرقوم ہے کہ مامون نے محسوس کیا کہ اس کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اس امر میں وہ ایک ولی عہد کی تلاش میں تھا تاکہ خدا کے سامنے سرخرو ہو کر وہ اپنے فرائض کو احسن طریقہ پر انجام دے سکے۔ اس جستجو میں انتہائی تلاش کے بعد عباسیوں اور علویوں کے درمیان حضرت علی بن موسیٰ علیہ السلام کو فضل، شرافت، علم، زہد اور تقویٰ کے لحاظ سے موزوں ترین اور شائستہ ترین پایا"۔

مامون نے اپنے اہل خانہ، سرداران لشکر اور کارگزاروں سے اس ضمن میں امام کی بیعت لی۔

(دوشنبہ ۱۷ رمضان ۲۰۱ھ)

مامون کی درخواست پر امام علیہ السلام نے بھی اس عہد نامہ پر اپنی جانب سے چند خیالات ثبت کیے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدائے تعالیٰ جو چاہتا ہے اس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں۔ وہ ہر ایک کی نیت اور ارادوں سے واقف ہے، فرمانروائے مومنین کو توفیق ہوئی کہ ہمارے حق کو جسے دوسروں نے نہیں پہچانا اس کا رسمی اظہار کیا اور عباسیوں اور علویوں کے درمیان جو رشتہ ٹوٹ گیا تھا اس کو پیوست کیا۔ خلیفہ نے اپنی ولی عہدی مجھے سپرد کی ہے اور اپنے بعد فرمانروائی کے لیے معین کیا ہے بشرطیکہ میں اس کے بعد زندہ رہوں امام نے اپنے ارشاد میں لوگوں کو کار خیر پر کاربند رہنے کی تاکید کی اور خدا کو گواہ رکھتے ہوئے یقین دلایا کہ اگر مجھ پر مسلمانوں پر حکومت کی ذمہ داری عائد کی گئی تو میں تمام افراد اور بالخصوص بنی عباس کے ساتھ خدا اور رسولؐ کے فرمان کے مطابق کام کرونگا۔ کسی بے گناہ کا خون نہ بہے گا اور کسی کی ناموس اور ملکیت دوسرے کے لئے مباح نہ ہوگی، سوائے اس کے کہ قانون الٰہی کے تحت خدا سے اس کام میں مدد چاہونگا اور اس کو اس ضمن میں گواہ رکھوں گا"۔

شہادت

امام علی رضا کو مامون الرشید نے انگوروں میں زہر ملا کر شہید کروایا، اگرچہ بعض سوانح نگار اس بات سے اختلاف کرتے ہیں وہ امام کی شہادت کی بجائے طبعی موت کے قائل ہیں۔ آپ اکیس رمضان 203ھ کو شہادت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کا مزار شریف مشہد ایران میں واقع ہے۔

کھلا ہے جھوٹ کا بازار، آؤ سچ بولیں

علامہ محمد ارشد

جھوٹ منافقت کی بنیاد ہے

حضرت امام حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ''کہا جاتا تھا کہ ظاہر و باطن، قول و عمل اور داخلی و خارجی صورت حال کا باہمی اختلاف نفاق ہے۔ اور وہ اساس جس پر نفاق کی عمارت قائم ہے وہ جھوٹ ہے''۔

(احیاء علوم الدین)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بولتا ہے جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے خلاف کرتا ہے اور جب اسے امین بنایا جاتا ہے تو خیانت کرتا ہے''۔

(صحیح بخاری: 6095)

جھوٹ ایمان کے منافی ہے

ہمارے معاشرے میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھوٹ بولنا معمول بن چکا ہے۔ ہر دوسرا انسان اس فتنے میں مبتلا نظر آتا ہے۔ جھوٹی شان و شوکت اور جھوٹی عزت ظاہر کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لینے کو معیوب سمجھا ہی نہیں جاتا۔ ہم لوگ اپنے رشتے داروں اور دوست احباب کو متاثر کرنے لئے جھوٹ بولتے ہیں۔ سورۂ نحل کی آیت نمبر 105 میں جھوٹ کو ایمان کے منافی قرار دیا گیا ہے:

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ

''جھوٹ سے بھری باتیں وہی گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے''۔

(تذکرہ)

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 61 میں جھوٹ بولنے والوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ قارئین کرام! ایسی شان و شوکت اور ایسی عزت کا کیا فائدہ جو اللہ کی لعنت حاصل کر کے کمائی جائے۔ جھوٹ بولنے والا اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔

مؤمن جھوٹا نہیں ہوسکتا

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کیا مؤمن خائن ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، پھر پوچھا گیا کیا مؤمن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، پھر پوچھا گیا کیا مؤمن جھوٹا ہوسکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔

(الترغیب والترہیب)

مؤمن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ جنتی مزاج لوگ جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں۔ خاص طور پر پنجتنی ہونے کا دعوی کرنے والے کو تو جھوٹ سے نفرت ہی ہونی چاہیے۔ کیونکہ پنجتنی ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ مجھے سچے لوگوں سے پیار ہے۔ ایسے سچے لوگ جن کے بارے میں نجران کے وفد میں سے ایک پادری نے کہا تھا:

''اے گروہ نصاری! میں ایسے (سچے لوگوں کے) چہرے دیکھ رہا ہوں، جو اللہ سے سوال کریں کہ اے اللہ پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دے تو اللہ ان کی دعا کی وجہ سے پہاڑ کو اس کی جگہ سے زائل فرما دے، اس لئے ان (سچے) لوگوں سے مباہلہ نہ کرو ورنہ قیامت تک زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں رہے گا''

(تفسیر کبیر)

جھوٹ ام الخبائث (تمام برائیوں کی جڑ) ہے

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اور جھوٹ سے بچو، اس لیے کہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم میں لے جاتا ہے، آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے''۔

(ترمذی: 1971)

اسی لیے جھوٹ کو ام الخبائث کہا جاتا ہے۔

جھوٹ کی بدبو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور بھاگتا ہے''۔ (ترمذی: 1972)

''جھوٹ'' سب سے زیادہ قابل نفرت گناہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک جھوٹ سے بڑھ کر کوئی عادت مبغوض (ناپسندیدہ) نہ تھی، اور جب کوئی آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس جھوٹ بولتا تو وہ ہمیشہ آپ کی نظر میں قابل نفرت رہتا یہاں تک کہ آپ جان لیتے کہ اس نے جھوٹ سے توبہ کر لی ہے۔

(ترمذی: 1973)

رحمۃ للعالمین آقا کی جھوٹے انسان سے نفرت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جھوٹ جیسی کوئی برائی نہیں۔

''لارا لپا'' جھوٹ کی ایک قسم

''ریختہ'' ایک آن لائن اُردو ڈکشنری ہے۔ اس ڈکشنری میں ''لارا لپا'' کا معنی لکھا ہے۔ ''جھوٹا وعدہ''۔ ہمارے ہاں عائلی زندگی سے لے کر معاشرتی اور قومی زندگی تک ''لارا لپا'' ایک عادت بن چکا ہے۔ کوئی حاجت مند آجائے تو ہم نہ اس کا کام کرتے ہیں اور نہ ہی کھل کر انکار کرتے ہیں۔ اسے اتنے زیادہ چکر لگواتے ہیں یا اتنے زیادہ فون کرواتے ہیں کہ بندہ خود ہی نا امید ہو کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی مبارک عادت تھی کہ

وَلَا یُؤْیِسُ مِنْهُ رَاجِیَهٗ

''اگر کوئی آپ کے پاس کسی شے کی امید لے کر آتا آپ اسے مایوس نہ فرماتے''۔

(مختصر الشمائل المحمدیہ: ترمذی)

ہر شخص اپنی حالت خوب جانتا ہے آیا وہ کسی کی مدد کر سکتا ہے یا نہیں کر سکتا۔ جب معلوم ہو کہ آپ مدد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو خوامخواہ جھوٹا وعدہ نہ کریں کہ ''پریشان نہ ہوں آپ کا کام ہو جائے گا''۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اس کے ساتھ جھوٹا وعدہ نہ کریں تو وہ کسی اور کے پاس جائے گا اور ممکن ہے وہاں سے اس کا کام جلدی ہو جائے۔ اور دوسرا بڑا

نقصان یہ ہوتا ہے کہ آپ دوسرے کی نظر میں قابل اعتبار نہیں رہتے۔اس حوالہ سے رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

''چار عادتیں جس کسی میں ہوں تو وہ خالص منافق ہے اور جس کسی میں ان چاروں میں سے ایک عادت ہو تو وہ (بھی) نفاق ہی ہے، جب تک اُسے چھوڑ نہ دے۔ جب اسے امین بنایا جائے تو (امانت میں) خیانت کرے اور بات کرتے وقت جھوٹ بولے اور جب (کسی سے) عہد کرے تو اسے پورا نہ کرے اور جب (کسی سے) لڑے تو گالیوں پر اتر آئے''۔

(صحیح بخاری:34)

جھوٹ بولنے والا اور وعدہ خلافی کرنے والا بالیقین قابل اعتبار نہیں ہوتا۔رسول پاک ﷺ کی سیرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَارْفِدُوهُ

''جب تم کسی حاجت مند کو سوال کرتا دیکھو تو (جلد) اس کی مدد کر دیا کرو''۔

(مختصر الشمائل المحمدیہ: ترمذی)

کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی عزتِ نفس مجروح کر کے تسکین محسوس کرتے ہیں۔ان میں سے بعض لوگ کام تو کر دیتے ہیں لیکن اپنی گندی عادت سے مجبور ہو کر حاجتمند کو اپنے پیچھے پیچھے پھیراتے رہتے ہیں تا کہ وہ اپنا سوال بار بار پیش کرتا رہے۔اس طرح اُن کے نفس کی تسکین کا خوب سامان ہو جاتا ہے۔اللہ تعالی جھوٹ کی اس قسم سے بھی محفوظ فرمائے۔

جھوٹ بہت بڑی خیانت

سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات بیان کرو جسے وہ تو سچ جانے اور تم خود اس سے جھوٹ کہو۔

(سنن ابوداؤد:4971)

اس حدیث سے سمجھ آیا کہ سچ اور جھوٹ کا تعلق سامع کی سمجھ سے بھی ہوتا ہے۔بعض اہل علم ایسا کلام کرتے ہیں کہ سننے والا کچھ اور سمجھ رہا ہوتا ہے اور کہنے والا کچھ اور معنیٰ مراد لے رہا ہوتا۔تعریض اور توریہ کے جواز کی اپنی جگہ ایک طویل بحث ہے لیکن گزارش یہ ہے کہ انسان کو روزمرہ زندگی میں توریہ اور تعریض سے بچنا چاہیے انتہائی اہم دینی مصلحت پیش نظر ہو تو بندہ توریہ کا سہارا لے سکتا ہے۔

وارثین منبر و محراب کے جھوٹ

جس طرح جاہل اور عالم برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح جاہل کا گناہ اور عالم کا گناہ بھی برابر نہیں ہو سکتا۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جہالت عام ہو جائے گی۔آج کے دور میں یہ نشانی برسر منبر رقص کناں نظر آتی ہے۔علم و فضل سے عاری لوگ اپنے خلافِ مزاج لوگوں پر کس طرح فتوی بازی کر رہے ہیں کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔مسجد کے محراب میں منبر پر بیٹھ کر اللہ تعالی کی جھوٹی قسمیں کھا کھا کر دوسروں کو جادۂ حق سے بھٹکا ہوا قرار دے رہے ہیں۔خصوصاً اہل بیت اطہار جن کی طہارت منصوص ہے ان کو جس طرح تختہ مشق بنایا ہوا ہے الامان والحفیظ۔

قال رسول الله ﷺ: لا يحلف احد على منبري كاذبا، إلا تبوا مقعده من النار

''نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بھی میرے منبر پر جھوٹی قسم کھائے وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے''۔

(مسند احمد:14706)

جھوٹ پر مبنی استفتاء اور جھوٹ پر مبنی فتاوی معاشرے میں توڑ پھوڑ اور فساد کا سبب بن رہے ہیں۔حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز کے بارے میں نہ بتادوں جو درجہ میں نماز، روزہ اور صدقہ سے بھی افضل ہے، صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ ضرور بتایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ آپس میں میل جول کرا دینا ہے، اس لیے کہ آپس کی پھوٹ دین کو مونڈنے والی ہے۔ (ترمذی:2509)

آپس میں صلح کروانے کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیا گیا ہے۔جبکہ رنجش کروانے کو دینی بگاڑ کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔

اپنے جھوٹ کو سچ سمجھنے کی بیماری

''شیخ چلّی'' اردو ادب کا ایک افسانوی کردار ہے۔ جو حماقتوں اور شیخیوں کے لئے استعارے کے طور پر مستعمل ہے۔بچپن میں شیخ چلی کا ایک لطیفہ ہم اپنے کلاس فیلوز کو سنا کر خوب داد وصول کیا کرتے تھے:

''ایک دفعہ کچھ بچے شیخ چلّی کو پتھر مار رہے تھے تو اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بچوں کو کہا وہ دیکھو! دوسری گلی میں کچھ چیز تقسیم ہو رہی ہے۔ بچے فورا بھاگ کر دوسری گلی میں چلے جاتے ہیں۔ بچوں کے جانے بعد شیخ چلی سوچنے لگتا ہے کہ ہو سکتا ہے واقعی کوئی چیز تقسیم ہو رہی ہو۔اس سوچ کے ساتھ وہ بھی بچوں کے پیچھے پیچھے دوسری گلی میں داخل ہو جاتا ہے''۔

لطیفہ یہاں پر ختم ہوتا ہے۔شیخ چلی کی یہ احمقانہ سوچ اور اس کے بعد کی صورتحال تصوراتی انداز میں بندے کو مسکرانے پر مجبور کر دیتی ہے۔کہ وہاں پہنچ کر اس کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔وہ بچے جو پہلے ہی اسے پتھر مار رہے تھے اب اسکے اس جھوٹ پر اس کا کیا حشر کریں گے۔

بندہ جب اپنے ہی گھڑے ہوئے جھوٹ پر ایمان لے آئے تو اس سے بڑھ کر اس کے لیے تباہی کوئی نہیں ہوتی۔آج ہمارے معاشرے کے ہر طبقے میں کثیر تعداد میں ایسے کردار دیکھنے کو مل جاتے ہیں جو خود ہی ایک جھوٹ گھڑتے ہیں اور پھر خود ہی اپنے جھوٹ پر ایمان لا کر بڑی تندہی کے ساتھ اس کا پرچار کرنے لگ جاتے ہیں۔ لوگوں کا مقصد معاشرے میں عزت اور وقار حاصل کرنا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اپنی تباہی اور بے توقیری کا بندوبست کر رہے ہوتے ہیں۔

بندے کا اصل کردار وہ نہیں ہوتا جو نظر آ رہا ہوتا ہے۔اصل کردار وہ ہوتا ہے جو نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ہم اپنے آپ کو مذہبی کہتے ہیں۔مذہب تو انسان کا تزکیہ کرتا ہے۔تزکیہ شدہ انسان کا وہ کردار جو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہو، پاکیزہ ہوتا ہے۔اگر ہماری تنہائیاں اور ہمارے مستور اعمال پاکیزہ نہیں ہیں تو ہم بھی انہیں کرداروں میں شامل ہیں جو اپنے ہی جھوٹ پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالی وجھہ الکریم فرماتے ہیں:

''فاجر سے بھائی چارہ نہ کر کہ وہ اپنے فعل کو تیرے لیے مُزین کرے گا اور یہ چاہے گا کہ تو بھی اس جیسا ہو جائے اور اپنی بدترین

خصلت کو اچھا کر کے دکھائے گا، تیرے پاس اس کا آنا جانا عیب اور ننگ ہے اور احمق سے بھی بھائی چارہ نہ کر کہ وہ تیرے لیے خود کو مشقت میں ڈال دے گا اور تجھے کچھ نفع نہیں پہنچائے گا اور کبھی یہ ہوگا کہ تجھے نفع پہنچانا چاہے گا مگر ہوگا یہ کہ نقصان پہنچادے گا، اس کی خاموشی بولنے سے بہتر ہے، اس کی دوری نزدیکی سے بہتر ہے اور موت زندگی سے بہتر ہے اور جھوٹے آدمی سے بھی بھائی چارہ نہ کر کہ اس کے ساتھ میل جول تجھے نفع نہ دے گی، وہ تیری بات دوسروں تک پہنچائے گا اور دوسروں کی تیرے پاس لائے گا اور اگر تو سچ بولے گا جب بھی وہ سچ نہیں بولے گا۔

(ابن عساکر)

اے اللہ! سچے لوگوں کے صدقے ہمیں بھی صداقت کا نور عطا فرما اور جھوٹ کے اندھیروں سے نجات عطا فرما۔ آمین بجاہ آل سید المرسلین

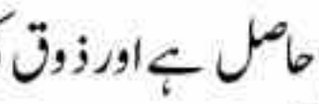

بقیہ: سنابلِ نور

آپ عام طور پر درود ابراہیمی پڑھتے لیکن اہل محبت آپ کے سامنے جو درود شریف بھی پڑھتے آپ پسند فرماتے۔ محفل میں نعت شریف اور عارفانہ کلام سنتے۔

ایک بار کسی پرانے ساتھی نے آپ سے پوچھا کہ نعت سماعی اکابرین سلسلہ کے معمول کے خلاف ہے؟۔ آپ نے فرمایا میری مناسبت سلسلہ چشتیہ سے بھی ہے۔ اس لیے مراحل ترقی طے کرنے میں ذوق کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور ذوق کی نمو میں نعت شریف کا سننا کارگر نسخہ ہے۔

مرغ سحر نے اپنی اذان محبت سے سب کو اٹھا کر مصلیٰ پر بٹھا دیا اور پھر سب لوگ دھیرے دھیرے اپنے معبود مسجود سے ہم کلام ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد حضرت لالہ جی علیہ الرحمہ نے کمال محبت اور عشق میں ڈوب کر دعا فرمائی اور نماز صبح کے لیے مسجد جانے سے پہلے فرمایا:

"عشق بھی اللہ کا فضل ہے۔ یہ زمینی چیز نہیں، آسمانی تحفہ ہے۔ اس لیے یہ نہ موسموں کی سختی دیکھتا ہے اور نہ راہ کی صعوبتوں کی پرواہ کرتا ہے۔ اس کی منزل صرف آگاہی ہے اور معرفت کے لیے مرمٹنا ہے۔ اللہ اکبر۔"

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا ہے کلام

روحانیت، درود شریف سے محکم کرو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔ آپ یہ سلام حق رسالت کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے"۔ درود شریف کی برکت سے روحانیت محکم ہوتی ہے۔ طبیعت نرم پڑ جاتی ہے۔ محسوس ایسے ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت سالک کے ساتھ ساتھ ہے۔ حدیث ہے کہ جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر روز ہزار مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی موت سے پہلے ہی اسے جنت میں اس کے مقام کی زیارت کرا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی زیارت نصیب فرمائے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: عقیل احمد صدیق کھوکھر، لاہور

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

آصف بلال آصف

یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ ہمارے جسم کے اندر ایک اور جسم بھی موجود ہے۔۔۔۔۔ جو بخاراتِ آبی سے بھی زیادہ لطیف ہے۔۔۔۔۔ حقیقی انسان وہی ہے۔۔۔۔۔ یہ جسمِ خاکی فانی ہے اور وہ غیر فانی۔۔۔۔۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو یہ جسمِ لطیف، خاکی جسم سے نکل کر ادھر اُدھر گھومنے چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔ یہ دونوں جسم ایک لطیف بندھن سے باہم بندھے ہوئے ہیں اور جب کسی بیماری یا حادثے کی وجہ سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے اور جسمِ لطیف (روح) واپس عالم ارواح میں چلا جاتا ہے۔۔۔۔۔

ایسا ہماری زندگی میں روزمرہ ہوتا رہتا ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو جسمِ لطیف جسمِ خاکی سے نکل جاتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن نیند سے بیداری پر جسمِ لطیف واپس خاکی جسم میں آجاتا ہے۔

اس حقیقت کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے:

”اللہ تعالیٰ موت کے وقت روحوں کو قبض کر لیتا ہے اور وہ نفوس جو نیند کے عالم میں مرتے نہیں وہ بھی تو اسی کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ ہاں وہ جن کی موت کا وہ فیصلہ کر لے اُن کی روحیں وہ روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو مہلت دیتا ہے ایک مقررہ میعاد تک۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو غور و فکر کریں۔۔۔۔۔“

(الزمر:42)

اسی روح کو اہل فن جسمِ لطیف کہتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ مستقل اور غیر فانی ہے اور جسم خاکی اس کی عارضی قیام گاہ ہے۔۔۔۔۔

مغربی صوفیوں کا خیال ہے کہ انسان کے جسم سے مختلف رنگ کی شعاعیں نکلتی ہیں جو جسم کے ارد گرد ایک ہالہ سا بناتی ہیں۔۔۔۔۔ یہ شعاعیں ہر آدمی کے وجود سے نکلتی ہیں۔۔۔۔۔ خواہ وہ نیک ہو یا بد۔۔۔۔۔ فرق یہ ہے کہ نیک و بد کی شعاعوں کا رنگ حسبِ کردار مختلف ہوتا ہے۔

ایک اور نظریے کے مطابق ہر انسان اپنے اعمال کے مطابق ایک ماحول یا Atmosphere اپنے ارد گرد بنا لیتا ہے۔۔۔۔۔

بدکار کا ماحول دیوار کی طرح سخت ہوتا ہے جس سے کوئی فریاد، یا دعا باہر نہیں جا سکتی اور نہ ہی اچھی دنیا کے عمدہ اثرات اندر آسکتے ہیں ایسا آدمی خفیہ طاقتوں کی امداد سے محروم ہوتا ہے۔۔۔۔۔

انسانی کردار سے ایک مقناطیسی روشنی پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔۔ جو انسانی جسم سے خارج ہوتی رہتی ہے۔۔۔۔۔ یہ یا تو دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے یا پرے دھکیل دیتی ہے۔

اس قسم کی شعاعوں سے انکار ناممکن ہے کیونکہ بعض افراد کی طرف دل کھینچ کے لے جاتا ہے۔۔۔۔۔ جبکہ بعض سے انسان دور بھاگتا ہے۔ اور ایسا ہمارا روزانہ کا تجربہ ہے۔۔۔۔۔ یہ شعاعیں جسمِ خاکی اور جسمِ لطیف دونوں سے خارج ہوتی ہیں۔۔۔۔۔

نیک کردار لوگ اپنی پرسنیلیٹی یعنی جسمِ لطیف سے دنیا کو کھینچتے ہیں اور دنیا عقیدت، ایمان اور تعظیم کے تحائف لے کر ان کے ہاں آتی ہے۔

دوسری طرف جسمانی شعاعیں بعض سفلی جذبات میں ہیجان پیدا کرتی ہیں۔

ہم جب کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد نیاز اور گداز میں ڈوب کر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہیں تو ہمارے اندر جذبات کی قوت روحانی دنیا میں زبردست لہریں پیدا کرتی ہے۔۔۔۔۔ جب یہ لہریں فیض رساں طاقتوں سے ٹکراتی ہیں تو انہیں بے چین کر دیتی ہیں پھر یہ امدادی قوتیں یا تو فوراً ہماری مدد کو آجاتی ہیں اور ہماری ساری رکاوٹوں کو دور کر دیتی ہیں اور یا خیال کی کوئی لہر وہاں سے چھوڑتی ہیں جو ہمارے دماغ سے ٹکرا کر ایک ایسی تجویز کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے ہماری تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

گداز میں ڈوبی ہوئی ہر آواز کا جواب فوراً آتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو لوگ کائنات کو مردہ سمجھنے لگ جائیں۔۔۔۔۔ دعا اور قبولیت سکے کے دو رُخ ہیں۔۔۔۔۔ قبولیت اس طرح دعا کا دوسرا رُخ ہے جس طرح نتیجہ سبب کا۔۔۔۔۔

دعا کی قبولیت کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

1. اگر تکلیف گناہ کا نتیجہ ہو تو ۔۔۔۔۔ اعترافِ گناہ اور توبہ۔
2. نیازمندی، گداز اور اضطراب۔

اگر دعا کے ساتھ گداز و اضطراب کی کیفیت شامل نہ ہو تو وہ قبولیت میں ڈھلے گی کیسے۔۔۔۔۔؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اُسی دعا کو قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے جس کے ساتھ اضطراب شامل ہو۔۔۔۔۔ اللہ فرماتا ہے:

”ہمارے سوا (وہ کون ہے جو بے قرار کی پکار کا جواب دے۔۔۔۔۔“

(النمل:62)

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو

ظلم سے نہ ملایا، امن وسلامتی انہیں کے لیے ہے اور ہدایت یافتہ بھی وہی ہیں۔۔۔۔۔"

(الانعام:82)

تندرستی نیکی کا نام ہے جب لالچ، نفرت اور فریب کی آگ بجھ جاتی ہے تو مکمل چین اور سکون مل جاتا ہے۔

دنیا میں کروڑوں ایسے آدمی موجود ہیں جو تمام نسلِ انسانی کی نجات وفلاح کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو گناہ کے عادی ہیں اور ہر شخص کو اپنے جیسا دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔

ان دونوں طبقوں کی چھوڑی ہوئی Emotional Energy اپنا کام کر رہی ہے اور لوگ جوق در جوق گناہ یا ثواب کی راہوں پر چلتے جا رہے ہیں۔

ہماری اس دنیا میں خیر اور شر۔۔۔۔۔ دو قوتیں موجود ہیں۔۔۔۔۔

اللہ کے سامنے جھک جانے کے بعد ہمارا رشتہ خیر اور روشنی کی قوتوں کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔

جبکہ بدی ہمیں شیطان کے ساتھ منسلک کر دیتی ہے۔

یہ طاقتیں اپنے اثرات ہمارے کردار کے مطابق ہم تک پہنچاتی ہیں۔۔۔۔۔

شیاطین کی بھیجی ہوئی لہریں ۔۔۔۔۔ بری خواہشات، برے افکار، تباہ کن تجاویز اور اخلاق سوز رویوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

جبکہ روشنی کی طاقتیں جو لہریں بھیجتی ہیں۔ وہ نیک ارادوں، عمدہ تجاویز، بلند مقاصد، نیک خواہشات اور اعلیٰ جذبات میں بدل جاتی ہیں۔

اگر صاحبِ تجویز اللہ کا کوئی نیک بندہ ہو تو اس تجویز کا منبع کوئی روشنی کا نمائندہ یا فرشتہ ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ ہمیشہ عمدہ ہوتا ہے۔

اگر تجویز شیاطین کی طرف سے ہو تو اس کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اس نظریے کی تصدیق قرآن حکیم سے یوں ہوتی ہے:

"جو لوگ اللہ کو اپنا آقا تسلیم کرنے کے بعد اس راہ پر جم جاتے ہیں۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ڈرو مت، نہ غم کھاؤ اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔۔۔" (حم سجدہ : 30)

"کیا میں تمہیں خبردار کر دوں کہ کس پر شیطان اُترتے ہیں۔ ہر بہتان والے گناہ گار پر اُترتے ہیں۔ شیطان سنی ہوئی باتیں ان پر ڈالتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہیں۔۔۔۔۔"

(شعراء: 221, 222, 223)

"شیطان تمہیں ڈراتا رہتا ہے کہ تنگ دست ہو جاؤ گے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا رہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور خاص فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بڑی وسعتوں کا مالک اور خوب جاننے والا ہے۔۔۔۔۔"

(البقرۃ: 268)

شیاطین کی یہ ترغیب اور فرشتوں کی وہ حوصلہ افزائی اور رہنمائی Spirtual waves کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

جب انسان نیکی کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، اچھے اخلاقی رویے اپناتا ہے، نیک لوگوں کی محفل میں بیٹھتا ہے تو روشنی کی قوتیں اسے اپنے حصار میں رکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرشتے اس کی مدد و نصرت کے لیے موجود رہتے ہیں۔۔۔۔۔ اس طرح برکتیں رحمتیں اور عزتیں اس کا نصیب بن جاتی ہیں۔

نیکی کی بدولت ہم کائنات کی ان قوتوں سے رابطہ کر لیتے ہیں جو رحم واحسان کا سرچشمہ ہیں اور بدی سے ہم تباہ کن طاقتوں کو اپنے اوپر حاوی ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

ایمان ایک زبردست انرجی (Energy) ہے۔

جب ہم اپنے کردار وعمل میں اس مثبت انرجی کو شامل کر لیتے ہیں تو فیض رساں طاقتیں ہماری طرف متوجہ ہوتی ہیں اور ہماری مدد کرتی ہیں۔

میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ ہر نیک دل اور پاکیزہ کردار انسان کے اردگرد فرشتوں کے پہرے لگائے جاتے ہیں جو ہر مصیبت سے اسے بچاتے ہیں اور ہر اُلجھن میں اسے راہ دکھاتے ہیں۔

"ہر شخص کی حفاظت کے لیے اس کے آگے اور پیچھے مسلسل فرشتے رہتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ کسی قوم کی حالت میں تبدیلی نہیں لاتا جب تک وہ لوگ خود اپنے اندر تبدیلی نہ لائیں اور جب اللہ کسی قوم کی سخت گیری فرمائے تو پھر اسے دور رکھنے والا کوئی نہیں اور اللہ کے سوا ان کا کوئی سرپرست نہیں۔۔۔۔۔"

(الرعد: 11)

قرآن پاک میں ایسی کئی اقوام کا ذکر ہے جن پر آسمان سے آگ یا پتھر برسے جس سے بدکردار سارے کے سارے ہلاک ہو گئے لیکن نیک لوگ سارے کے سارے بچ گئے۔۔۔۔۔ کائنات کے مخفی کارندے ہر جگہ مصروف عمل ہیں۔

☆ گھٹاؤں کو برسنے اور تھمنے کا حکم کون دیتا ہے۔۔۔۔۔؟

☆ پھولوں میں رنگ و بو کون بھرتا ہے۔۔۔۔۔؟

☆ مکھی کو شہد بنانے کا فن کس نے سکھایا۔۔۔۔۔؟

☆ ہمارے دل کی مشین کون چلا رہا ہے۔۔۔۔۔؟

☆ ماں کے رحم میں بچے کی تشکیل کون کر رہا ہے۔۔۔۔۔؟

☆ پھلوں میں لذت وخوشبو کون بھر رہا ہے۔۔۔۔۔؟

جواب ایک ہی ہے:

☆ فطرت کا مخفی ہاتھ

☆ اللہ رب العزت جس کا کوئی شریک نہیں۔

میرا ایمان ہے کہ نیک لوگوں کو اندھیرے کی کسی طاقت سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔۔۔۔۔ نہ دشمن سے، نہ رہزن سے، نہ آگ سے، نہ سانپ سے۔۔۔۔۔ کیونکہ دکھ گناہ کا نتیجہ ہے اور جہاں گناہ کا وجود ہی نہ ہو وہاں دکھ کا کیا کام۔

جونہی گناہ انسان کی زندگی میں داخل ہوتا ہے وہ خفیہ پہرے دار واپس بلا لیے جاتے ہیں اور انسان بے شمار مصائب کا شکار ہو جاتا ہے۔۔۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو تلاش کرے اور خود کو روشنی کی قوتوں کے سپرد کرے نہ کہ بدی کی قوتوں کے۔۔۔۔۔

اقبال فرماتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن!

خود احتسابی

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا

ماسٹر احسان الٰہی

پچھلے دنوں ایک تحریر پڑھنے کا موقع ملا۔ مجھے اچھی لگی اور پسند آئی تو دل چاہا قارئین دلیل راہ، سنگیوں اور علم کے حصول کی جستجو میں شامل دوستوں سے شیئر کروں۔

تحریر کی چیدہ چیدہ باتیں اور لبِ لباب کچھ اس طرح ہے کہ ماہرین نفسیات کہتے ہیں:

1۔ اگر آپ کسی ہوٹل، ریسٹورنٹ یا کسی عوامی تقریب میں چائے پیتے ہوئے عام طور پر گھر چائے پینے کی نسبت زیادہ چینی اور دودھ ڈالتے ہیں تو آپ کی یہ صفت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ بدعنوانی اور کرپشن کے جراثیم آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

2۔ اگر آپ پبلک واش روم میں یا کسی ہوٹل میں گھر کی نسبت زیادہ ٹشو پیپر استعمال کرتے ہیں تو اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے اندر ایک ایسا انسان بیٹھا ہے جسے جب بھی موقع ملے گا وہ قومی وسائل کا بے دریغ استعمال کرے گا۔

3۔ ماہرینِ نفسیات کے مطابق اگر آپ سوشل تقریبات وغیرہ میں اپنی پلیٹ میں بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھانا محض اس لیے ڈالتے ہیں کہ اس کا بل کسی دوسرے کی جیب سے جا رہا ہے تو یہ آپ کے فطرتاً لالچی ہونے کی دلیل ہے۔

4۔ اگر راہ چلتے سڑک یا شارع عام پر ملنے والی چیزوں کو آپ اپنی ملکیت سمجھتے ہیں تو آپ میں بلاشبہ قبضہ گروپ والی صفات کے حامل ہونے کے سو فیصد امکانات پائے جاتے ہیں۔

5۔ اگر عام طور پر آپ قطار توڑ کر آگے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو کوئی طاقت ور عہدہ دیا جائے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس سے آپ اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔

6۔ ماہرینِ نفسیات کے مطابق اگر آپ عام طور پر ٹریفک جام میں قطار توڑ کر دوسری گاڑیوں میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنا الّو سیدھا کرنے کے چکر میں ہیں تو یہ دلیل ہے کہ جب آپ کو کبھی سرکاری پیسے کا رکھوالا بنایا جائے تو اس بات کا پورا امکان ہے کہ آپ غبن کے مرتکب ہوں گے کیونکہ آپ کو قوانین وضوابط پر عمل سے نفرت ہے۔

7۔ اگر ٹریفک، ہدایات اور قوانین کو توڑ کر کوئی فخر محسوس کرتا ہے تو ایسا انسان اپنی ذاتی تسکین کے لیے کسی کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال سکتا ہے۔

8۔ اگر آپ اپنے گھر کے گندے پانی کا بہتر انتظام کرنے کی بجائے رخ دوسرے کے گھر کی طرف کر دیتے ہیں تو یقیناً صحت مند معاشرے کی تکمیل میں آپ کبھی بھی مثبت کردار ادا نہیں کر سکتے۔

9۔ اگر آپ گھر اور آفس کی فالتو لائٹس بند کرنے کے عادی نہیں ہیں تو آپ کی یہ عادت ظاہر کرتی ہے کہ موقع ملنے پر آپ ملکی وقومی وسائل کو ضائع کرنے کا ارتکاب کریں گے۔

10۔ ماہرینِ نفسیات کے مطابق اگر آپ کا زیادہ وقت بے مقصد کہانیاں پڑھنے، فلمیں اور ڈرامے دیکھنے میں گزرتا ہے تو آپ خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں رہنے والے بے عمل انسان ہیں جو اپنے علاوہ لواحقین اور دوست احباب کا وقت اور مستقبل بھی برباد کر رہے ہیں۔

11۔ اگر کہیں غریب اور عام آدمی کے لیے کھانا اور لنگر تقسیم ہو رہا ہے تو آپ اپنے حصے کا کھانا لے کر دوبارہ مزید کھانا لینے کی سعی وتگ ودو کرتے ہیں تو یہ آپ کی کم ظرفی اور کمینگی میں شمار ہوگا۔

یہاں پر صاحب تحریر اپنے (Conclusive) ریمارکس میں لکھتے ہیں کہ اگر آپ کا عنصر آپ پر غالب ہے اور آپ کا شمار بددیانت لوگوں کی کٹیگری میں ہوتا ہے جہاں آپ اپنے فائدے کی غرض سے بڑی آسانی سے معاشرے میں خرابیاں پیدا کریں گے ایک استاد ہونے کے ناطے ذاتی خیال یہ ہے کہ صاحب تحریر نے عبارت میں جس جس جگہ پر پرسنل ریمارکس دیے ہیں وہ ان کی ذاتی سوچ اور فعل ہے۔ اور ان کے ان ریمارکس سے اگر کوئی قاری کسی قسم کا اپنی ذات کے حوالے سے ربط محسوس کرتا ہے تو وہ بھی اس کی اپنی سوچ ہو سکتی ہے۔

البتہ ماہرین نفسیات نے جن جن نقاط کی نشاندہی کی ہے اس میں کتنی صداقت ہے یہ ہم میں سے ہر ذی شعور اور رتی بھر بھی ظرف اور فکر کی سوچ رکھنے والوں کے لیے ایک پیغام ہے کہ ہم انفرادی طور پر اپنی خود احتسابی کی طرف توجہ دیں اور جہاں بھی ہمیں موقع ملے ہم بذاتِ خود باکردار انسان بننے کی کوشش کریں۔ زندہ معاشروں میں کرپشن، بدعنوانی اور ایسی بے شمار برائیوں کے خاتمے کی شروعات خود سے ہوتی ہے اور اس کے برعکس جن معاشروں میں ایسی توقعات دوسروں سے وابستہ کی جاتی ہیں ان کا حال بالکل ایسا ہوتا ہے جس کی عملی تصویر آج کل ہمارا معاشرہ دکھا رہا ہے پائیدار سدھار کے لیے ایمان داری اور اچھے رویوں کا پیمانہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے ایک جیسا اور یکساں ہونا چاہیے ورنہ عدم مساوات کے رویے پھر وہاں ہی لا کر کھڑا کرتے ہیں جہاں اس وقت ہم ہیں!

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسی وجہ تو ضرور ہے جو ان بیان کردہ تلخ حقائق کا موجب ہے۔

بقیہ: صفحہ نمبر 42 پر

پائیدار ترقی کے اہداف اور اسلام

محمد صدیق

The Sustainable Development Goals and Islam

Globalization اور معلومات کے دور میں، پائیدار ترقی آنے والی نسلوں کے تحفظ کے لیے ایک عصری مسئلہ ہے۔ درحقیقت صنعتی ترقی نے زمین میں سرمایہ دارانہ نظام کو جنم دیا جس کے نتیجہ میں لوگوں نے معاشرے کی بجائے خود فکری اور خود پسندی کو ترجیح دی۔ صنعتی ترقی اور مادیت کی ہوس نے انسان کو مذہب سے دور کر دیا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد فقط معاشی پائیداری اور ترقی رہ گیا۔

سائنسی ترقی کی دوڑ اور وسائل کے بے جا استعمال سے انسان نے کائنات کے قدرتی ماحول اور قدرتی حسن کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور اب انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو چکا ہے کہ اگر آج اس نے اپنی روش کو تبدیل نہیں کیا تو آنے والی نسلوں کا مستقبل غیر محفوظ اور تاریک ہو جائے گا اور آنے والی نسلیں ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولیں گی جو انسانوں کی مادی ہوس کے نتیجے میں بگاڑ کا شکار ہو چکا ہوگا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ قدرتی ماحول کے بگاڑ اور وسائل کے بے دریغ استعمال نے زمین پر نظام زندگی کو بری طرح متاثر کیا ہے اور انسان کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ پائیدار ترقی SUSTAINABLE) (DEVELOPMENT ایسے نظریے کو متعارف کروائے، جس میں سماجی اور معاشی انصاف کا تذکرہ ہے اور اقتصادی میدان میں ایسی ترقی جس سے معاشرے کے تمام افراد کا معیار زندگی بلند ہو کو مقصد بنایا گیا ہے، اسی کے ساتھ ماحولیاتی نظام کو عدم توازن کا شکار ہونے سے بچانے کی بات ہو رہی ہے، معاشرے کو فلاحی معاشرہ بنانے کے لیے اور Sustainable Development کے ان مقاصد کے حصول کے لیے آج لوگ اسلام کے سماجی ،اقتصادی اور ماحولیاتی نظام کا مطالعہ کر رہے ہیں، اور اس نظام کی طرف آ رہے ہیں جو انسانیت کا واحد نجات دہندہ اور فلاح کا ضامن ہے۔

Sustainable Development سے ایک ایسی حقیقی ترقی مقصود ہے، جو نہ صرف اس دنیا میں رہنے والے تمام طبقات کو خوشحال بنائے بلکہ ان کے مستقبل کو محفوظ بھی بنائے یعنی Sustainable Development کاموں کو بہتر طریقے سے سر انجام دینا ہے کہ حال بھی آسودہ ہو اور مستقبل بھی محفوظ ہو، لیکن کاموں کو مختلف انداز میں کرنے سے ہرگز یہ مراد نہ ہوگی کہ معیار پر سمجھوتہ کیا جائے یا افراد کے معیار زندگی کو گھٹایا جائے۔ Sustainable Development ایک ایسی سوچ متعارف کروانا ہے کہ جو اجتماعی ہو جس میں معاشرے کے تمام افراد اس دنیا کے وسائل سے مستفید ہو سکیں اور اپنے کاموں کو بحسن و خوبی سرانجام دیں۔

پائیدار ترقی (Sustainable Development) کا پس منظر

عصر حاضر میں مثالی معاشرہ کی تشکیل کے لیے پائیدار ترقی یعنی (Sustainable Development) کی اصطلاح متعارف ہوئی ہے۔ 1983ء میں اقوام متحدہ نے ماحول اور ترقی (Environment and Development) کے لیے Harlem Brundtland کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا، اس کمیشن نے 1987ء میں اپنی رپورٹ Our Common Future کے نام سے پیش کی، اس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ اگر انسان نے اپنے موجودہ رہن سہن کے انداز کو نہ بدلا تو عنقریب اس دنیا کا ماحولیاتی نظام بگاڑ کا شکار ہو جائے گا اور انسانیت کو بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی کے ساتھ اس بات پر بھی زور دیا گیا تھا کہ دنیا کے معاشی نظام میں یہ اہلیت ہونی چاہیے کہ وہ لوگوں کی معاشی ضروریات کو پورا کر سکے اور دنیا کے تمام طبقات کے حقوق کا تحفظ ہو اور ان کے درمیان وسائل کی منصفانہ تقسیم ہو سکے، اور ایک ایسی ترقی مطلوب ہے جس میں ہم اپنی موجودہ ضروریات کو اس طرح پورا کریں کہ آنے والی نسلوں کا اپنی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت متاثر نہ ہو، اسی نظریہ کے لیے Harlem Brundtland نے Sustainable Development کا نظریہ پیش کیا، اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی:

Sustainable development is development that meets the needs of the present without compromising the ability of future generations to meet their own needs.

Sustainable Development (پائیدار ترقی) کے تین بنیادی مقاصد ہیں جو کہ سماجی عدل ،معاشی انصاف اور ماحولیاتی نظام کے تحفظ پر مشتمل ہیں، ان تین بڑے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے سترہ اہداف مقرر کیے گئے ہیں، ان اہداف کو 2012ء میں اقوام متحدہ کے اجلاس میں پیش کیا گیا ہے:

GOAL 1: Decent Work and Economic Growth

GOAL 2:No Poverty

GOAL 3:Zero Hunge

GOAL 4:Good Health and

Well-being
GOAL 5:Quality Education
GOAL 6:Gender Equality
GOAL 7:Clean Water and Sanitation
GOAL 8:Affordable and Clean Energy
GOAL 9:Industry,Innovation and Infrastructure
GOAL 10:Reduced Inequality
GOAL 11:Sustainable Cities and Communities
GOAL 12:Responsible Consumption and Production
GOAL 13:Climate Action
GOAL 14:Life Below Water
GOAL 15:Life on Land
GOAL 16:Peace and Justice Strong Institutions
GOAL 17:Partnerships to achieve the Goal

پائیدار ترقی (Sustainable Development) کے مقاصد اور اسلامی تعلیمات

جس طرز کے فلاحی معاشرے کے لیے یہ مقاصد اور اہداف مقرر کیے گیے ہیں، ان کا حصول کا اسلامی تعلیمات اور احکام پر عمل کے بغیر ناممکن ہے۔ چونکہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اسلام نے ایک فلاحی معاشرے کا بہترین تصور پیش کیا ہے۔ اور اس میں وہ تمام اصول ہیں جن پر عمل کر کے ہم آج بھی ایک فلاحی معاشرہ تشکیل کر سکتے ہیں، آج جدید دور کے مسائل کا واحد حل اسلام کے زریں اصولوں پر عمل کرنے میں ہے کیونکہ اسلام کا نیّرِ تاباں ایسی روشنی لے کر نمودار ہوا کہ ظلمت بھری دنیا کے گوشے گوشے کو نورانیت سے بھر دیا، صرف 23 سال کی قلیل مدت میں اسلام نے اپنا لوہا منوالیا اور ہر میدان میں ایسا نظام پیش کیا کہ دنیا امن کا گہوارہ بن گئی، شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے نظر آنے لگے، امراء کو عزت ملی تو غریبوں کو سکون اور آسائش ملی، ہر فرد دوسرے کے غم کو اپنا غم اور دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنے لگا، حتی کہ پورا معاشرہ ایک جسدِ واحد کا نظارہ پیش کرنے لگا، جس کے ایک حصے کی تکلیف کو محسوس کرنے والا صرف ایک عضو ہی نہیں ہوتا، بلکہ پورا جسم ہوتا ہے۔

فلاحی معاشرے کا جو تصور اسلام پیش کرتا ہے اس میں معاشرتی عدل اور حقوق عامہ تک ہر انسان کی رسائی ایک بنیادی وصف ہے اور یہی سماجی انصاف اور بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی سسٹینبل ڈویلپمنٹ کے بھی بنیادی مقاصد ہیں، اللہ تعالی نے انسان کو زمین میں اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرضِ خَلِيفَةً" میں زمین میں نائب مقرر کرنے والا ہوں" اب جب انسان کو زمین پر اللہ کا نائب بنایا گیا اور حقیقی ملکیت صرف اللہ تعالی کی ہے تو یہ نائب اپنے آقا کے بتائے ہوئے اصولوں پر ہی چلے گا۔ اللہ تعالی نے انسان کے لیے اس دنیا کے وسائل مسخر کیے ہیں اب اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس زمین کو آباد کرے اس میں ترقیاتی اقدامات کرے لیکن یہ اقدامات قرآن وسنت کے احکامات کے مطابق ہوں اور ان وسائل کا استعمال بے جا نہ ہو کہ آنے والی نسلوں کو ان سے محروم کیا جائے۔

اسلامی نظام حیات میں افراد کے لیے پرامن اور خوشحال زندگی کے ساتھ ساتھ قدرتی نظام کا بھی تحفظ بھی شامل ہے ، Sustainable Development کے مقاصد میں سے ماحولیاتی نظام کو عدم توازن کا شکار ہونے سے بچانا ہے اور وہ تمام اقدامات جو قدرتی ماحول کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں ان کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے آج Sustainable Development کی اصطلاح استعمال ہو رہی ہے گویا یہ وہی بات ہے جس کی ترویج اسلام چودہ سو سال سے کر رہا ہے۔

Sustainable Development کے تین بنیادی مقاصد میں سے ایک ماحولیاتی نظام کا تحفظ ہے کہ انسان جس ماحول میں رہ رہا ہے وہ اس کی تمام بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو ،انسان کا اردگرد اس کا ماحول کہلاتا ہے ،ایسی تمام سرگرمیاں جو ہمارے اردگرد کو نقصان پہنچاتی ہیں ماحولی آلودگی کہلاتی ہیں ، اسلام ماحولیاتی نظام کے تحفظ اور اس کو ہر قسم کی آلودگی سے بچانے کی ترغیب دیتا ہے۔

ان سترہ اہداف میں سے آج ہم اس کے پہلے ہدف (Decent Work and Economic Growth) پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کریں گے اور اس بات کو ثابت کریں گے کہ اسلام نے ہمیں جو نظام پیش کیا ہے اس پر عمل کر کے ہم تمام دنیا کو امن کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

GOAL 1: Decent Work and Economic Growth
(مہذب کام اور اقتصادی ترقی)

ڈیسنٹ ورک اور اکنامک گروتھ، ایک اصطلاح جو انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (ILO) نے 1999 میں وضع کی تھی، اس میں نہ صرف ملازمتیں پیدا کرنا، بلکہ قابل قبول معیار کی ملازمتوں کی تخلیق بھی شامل ہے۔ Decent Work جو کہ سب کے بڑی ضرورت ہے اس کی تعریف (ILO) نے یوں کی ہے:

Decent work sums up the aspirations of people in their working lives. It involves opportunities for work that is productive and delivers a fair income,security in the workplace and social protection for all,better prospects for personal development and social integration,freedom for people to express their concerns,organize and participate in the decisions that affect their lives and equality of opportunity and treatment for all women and men.

"مہذب کام انسانوں کے کام کی زندگی میں ان کی خواہشات کا خلاصہ کرتا ہے۔ اس

میں کام کے مواقع شامل ہیں جو نتیجہ خیز ہیں اور مناسب آمدنی فراہم کرتے ہیں، کام کی جگہ پر سیکورٹی اور سب کے لیے سماجی تحفظ، ذاتی ترقی اور سماجی انضمام کے بہتر امکانات، لوگوں کے لیے اپنے تحفظات کا اظہار کرنے کی آزادی، ان فیصلوں کو منظم کرنا اور ان میں حصہ لینا جو ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تمام خواتین اور مردوں کے لیے زندگی اور مواقع اور سلوک کی مساوات''۔

اقتصادی ترقی کا مطلب ہے حقیقی مجموعی گھریلو پیداوار (GDP) میں اضافہ، یعنی قومی آمدنی، قومی پیداوار اور کل اخراجات میں اضافہ۔ اسلام معاشرے میں رہنے والے ہر فرد کے لیے پائیدار، جامع اور پائیدار اقتصادی ترقی، مکمل اور باعزت روزگار اور باعزت کام کو فروغ دینے کی کوشش کرتا ہے اور محنت کرنے والے کو بڑی قدر اور عزت دیتا ہے۔

سیرت الرسول ﷺ کا اس جہت سے مطالعہ ایسے واضح اُصول فراہم کرتا ہے جو زندگی کے معاشی پہلو میں آنے والی خرابیوں کی اصلاح اور اس پہلو کے ارتقاء کے حوالے سے جملہ تقاضوں کا احاطہ کرتا ہے۔ قومی سطح پر معاشی زندگی میں استحصالی، خودغرضانہ اور مفاد پرستانہ طرزِ عمل وہ بنیادی انحراف ہے جو اعلیٰ اقدار کی تخلیق، ارتقاء اور استحکام میں سدِ راہ کے طور پر حائل رہتا ہے۔ کیونکہ جب انسانی طرزِ عمل پر حرص، لالچ، بخل و کینہ، خودغرضی اور مفاد پرستی غالب ہو جائے تو اجتماعی مفاد کی خاطر معاشرے سے انفاق، نفع بخشی اور فیض رسانی کا عنصر غائب ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں جہاں ارتکاز کا رجحان پیدا ہوتا ہے وہاں معاشرے کے عام افراد معاشی تعطل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ معاشرتی زندگی میں تفاوت، ہر سطح پر مفاد پرستانہ طرزِ عمل کو جنم دیتی ہے۔ خودغرضی اور مفاد پرستی کی بنیادوں سے اٹھنے والی معیشت معاشرے کی سیاسی اور اجتماعی اقدار کو بھی پامال کرتی ہے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جسے اپنے اخلاقِ رذیلہ اور اجتماعی بقاء کے تصور سے انحراف کے باعث بالآخر محکومی اور غلامی جیسی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ سیرت الرسول ﷺ کا اس حوالے سے مطالعہ ان جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے ہمیں ایک ایسا لائحہ عمل عطا کرتا ہے جس سے نہ صرف معاشرے میں آنے والی ان معاشی خرابیوں، جو بیک وقت معاشرتی اور سیاسی اقدار کو مفلوج کر سکتی ہیں کا ازالہ کرتا ہے بلکہ افرادِ معاشرہ کو مثبت معاشی طرزِ عمل پر گامزن کرنے کا داعیہ بھی پیدا کرتا ہے۔

اسلامی معیشت کا تصور اور سیرت رسول ﷺ

کوئی بھی نظام زندگی اس وقت کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس کے پس منظر میں کوئی ٹھوس اور واضح تصور، اُصول اور ضابطہ نہ ہو۔ اسلام آفاقی دین ہوتے ہوئے بھی معیشت کے باب میں واضح اور جامع تصورات و تعلیمات پر مبنی ہے جو قرآن و سنت سے میسر آتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلام کے معاشی نظام کے خدوخال اور ان کے بنیادی تصورات اور تعلیمات کو اس انداز سے پیش کیا کہ آنے والے زمانوں کے لیے ایک رہنما اُصول۔ آپ ﷺ نے مذہب کے روایتی تصور کے برعکس جہاں دنیا کی سرگرمیوں کو قربِ خداوندی کے حصول میں سدِ راہ اور رکاوٹ سمجھا جاتا تھا، جائز اور درست معاشی سرگرمیوں کی اہمیت کو بیان فرمایا اور انسان کی طبیعت میں موجود معاشی میلانات کی اصلاح کے لیے بنیادی تصورات مثلاً تصورِ ملکیت وغیرہ کو بدلتے ہوئے ایسی تعلیمات عطا فرمائیں جن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے معاشی زندگی ایک ایسے حسین اعتدال سے بہرہ ور ہو سکے جہاں ایک طرف تخلیقی معاشی سرگرمیاں فروغ پذیر رہیں تو دوسری طرف افرادِ معاشرہ کے لیے ان تخلیقی اور معاشی سرگرمیوں سے مستفید ہونے اور ان سے نفع بخشی تک کے امکانات پانے کے تمام راستے بھی کھلے رہیں۔

آپ ﷺ نے نفع مند مال کی تعریف کی ہے اور اس مال کے کمانے کی خواہش اور اسے احسن طریقے سے خرچ کرنے اور اس مال کو مزید ثمر آور بنانے کو ضروری قرار دیا ہے اور ایسے صاحب حیثیت شخص کو سراہا ہے جو مال ملنے پر شاکر ہو اور اس مال کو لوگوں کی منفعت اور خیر خواہی کے لیے خرچ کرے۔ جبکہ اس ضمن میں سوائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے اور کوئی چیز اس کے پیش نظر نہ ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا :

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ

''اچھا مال نیک آدمی کے لیے اچھی چیز ہے''۔

ارشاد باری ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا

''اور تم اپنے مال ناسمجھ لوگوں کے سپرد نہ کیا کرو ایسے مال جنھیں ب اللہ نے تمہارے لیے رہنے کا ذریعہ بنا دیا ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر تبصرہ میں ابو حیان اندلسی کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص ہمارا دین نہ جانتا ہو وہ ہمارے بازاروں میں تجارت نہ کرے۔

تفسیر تبصرہ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ میں معاشرتی حسن کی ایک جہت یہ بھی ہے یتیم بچوں کے سرپرستوں کو کہا جا رہا ہے کہ ان کی خوراک اور لباس کا انہی کے مال سے بندوبست کرو تاکہ وہ باوقار ماحول میں عزت اور آبرو کے ساتھ پروان چڑھیں۔

لہذا اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ مال و دولت زندگی کی استواری میں معاون و مددگار ہوتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے:

قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ

فضول فضول بولنے اور کثرت سے سوال کرنے اور مال ضائع کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے

اسلامی زندگی میں معاشی استحکام کا تصور

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کو اپنی رنگا رنگ نعمتوں کا احساس دلاتے فرمایا کہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تخلیق کی۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

''وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے''۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ

''اور بیشک ہم نے تمہیں زمیں میں اقتدار بخشا اور تمہارے لیے اسباب زندگی بنائے ہم تم ہو کہ بہت کم شکر بجالاتے ہو''۔

اس آیت کے ضمن میں تفسیر تبصرہ کے مؤلف رقم طراز ہوتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ عالم

بشریت کا نقطۂ آغاز ہے۔حیات انسانی کے لیے منعفت بخش چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے زمین اور اس کی تہہ میں رکھی ہیں اس حقیقی راز کو بیان کیا گیا ہے۔زمین کو خوبصورت رہنے کی جگہ بنا دیا، اس میں وسائل اور اسباب پیدا کیے۔زمین کی آب و ہوا، اس کا حجم، شمس وقمر سے اس کے فاصلے، گردشوں کے مقناطیسی نظام اور اس پر مزید روزی رزق کے ساماں سب حیران کردینے والی نعمتیں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے زمیں کو انسان کے اختیار میں دے دیا اور اس کی تسخیر ہی انسانی عظمتوں کا راز بن گئی۔

گویا اموال و اشیاء پر انسان کو اس لیے قبضہ و تصرف کا حق دیا گیا کہ وہ اسے استعمال میں لاکر ان پر محنت کرصرف کرکے ان سے فائدہ حاصل کرے۔مال کی Potential utility کو Actual utility میں تبدیل کرنے کے لیے کسی کے تصرف وقبضہ میں دیا جانا ضروری ہوتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کی دی گئی نعمتوں کا استعمال کرکے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا اور وہ یونہی بے سود ہوکر پڑی رہیں گیں تو تخلیق کا مقصد پورا نہ ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی تخلیق کا مقصد ہی خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانا قرار دیا ہے۔

سید ریاض حسین شاہ شیخ سعدی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

ابر و باد و مہ خورشید و فلک درکار اند
تا تو نانی بکف آری و بہ غفلت نخوری

''بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان کام کر رہے ہیں تاکہ تم روٹی حاصل کرو اور غفلت نہ کرو''۔

حضور ﷺ نے بھی معاشی تفاوت کے سدِ باب کے لیے مضبوط معاشی پالیسیاں وضع کیں جس سے معاشرے میں معاشی استحکام پیدا ہوا۔ جب سوسائٹی کے معاشی حالات اجتماعی طور پر اچھے نہ تھے تو آپ نے ان لوگوں کو جن کے پاس مال و اسباب تھا اس میں دوسروں کو شریک کرنے کی ترغیب تاکہ سوسائٹی کے معاشی حالات اجتماعی طور پر بہتر ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

طَعَامُ الِاثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ

''ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے''۔

اسلام میں کسبِ معاش کی پابندی کا تصور

اسلام کے دیے ہوئے نظامِ معیشت کے تحت کسی بھی شخص کو بلا عذر شرعی غفلت اور سستی و کاہلی کی زندگی گزارنے کی اجازت نہیں۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق کسب معاش کا پابند ہے۔قرآن مجید نے اکثر مقامات اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔انفاق فی سبیل اللہ کی یہ فضیلت اور مقام تب ہی میسر آئے گا جب افرادِ معاشرہ ممکن حد تک اپنی تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حلال رزق حاصل کرے۔کسب معاش اور تلاش رزق کی اہمیت کو قرآن حکیم نے بیان کیا:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

''پھر جب نماز ادا ہوجائے تو زمین میں پھیل پڑو اور اللہ کا فضل تلاش کرو''۔

اسی طرح احادیث میں بھی کسب معاش کی اہمیت بیان کی گئی ہے

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے فریضہ عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے''۔

إنّ أطيب ما أكلتم من كسبكم

''بے شک سب سے پاکیزہ (رزق) جو تم کھاتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے''۔

معلوم ہوا کہ مطلق مال کمانا فرض اور واجب عبادت نہیں بلکہ حلال اور جائز طریقے سے مال کمانا عبادت ہے۔حرام یا ناجائز طریقے سے حاصل شدہ مال عبادت تو کجا اُلٹا سخت گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔صد افسوس عصر رواں انسان مال کمانے کی حرص میں اِس بات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتے کہ حلال طریقے سے کما رہے ہیں یا حرام طریقے سے بلکہ آج کل تو لوگ جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی اور ناجائز فروشی کے ذریعہ مال کمانے کو کمالِ ہنر گردانتے ہیں اور اسے اپنی عقل مندی اور چالاکی خیال کرتے ہیں، حالاں کہ حقیقت میں یہ دوسروں کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے ساتھ ہی فریب ہے اور ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق ہے۔

اسلامی معیشت میں فساد کے اَسباب کا تدارک

اس سلسلے میں ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں کہ معاشی زندگی میں فساد اور خرابیوں کی ایک بڑی وجہ روایتی تصور ملکیت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ملکیتِ اموال کے باب میں یہ بنیادی اُصول عطا فرمایا کہ اس سے مراد ملکیت نہیں محض امانت و نیابت ہے۔ یہاں ''مالک'' کا لفظ حقیقی معنی میں نہیں فقط امین اور نائب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اسلامی نظام معیشت میں ''ملکیت'' کا یہ اضافی مفہوم سب سے زیادہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس تصور کی وضاحت کے بغیر بقیہ اُصول وضوابط پر گفتگو لاحاصل اور خلط مبحث کے سوا کچھ نہ ہوگی۔اس لئے سب سے پہلے نظم معیشت میں ''ملکیت'' کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کے لئے اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

قرآن حکیم کا ملکیتِ اموال میں امانت و نیابت کا اُصول محض ایک تصور نہیں کیونکہ کسی حکم کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لینے اور قانونی و شرعی حق تسلیم کرنے میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔اگر امانت و نیابت کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لیا جائے تو اس پر نظام معیشت قائم نہیں ہوسکتا کیونکہ محض اخلاقی تصورات اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کی بنیاد پر کوئی نظام قائم کیا جاسکے، جب تک ان تصورات کو قانونی وجوب کا درجہ حاصل نہ ہوجائے۔

قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ

''ایمان رکھو اللہ اور اس کے رسول پر اور ان اموال میں سے خرچ کرو جن میں تمہیں جانشین بنا دیا گیا ہے''۔

اس آیت میں ایمان لانے کے بعد واضح طور پر بیان کر دیا گیا کہ جو مال تمہیں دیا گیا ہے اس کا حقیقی مالک تو اللہ ہے لیکن تمہیں نائب ہونے کے ناطے حکم دیا جاتا ہے کہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

جس طرح ارشاد خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

''اللہ نے تم میں سے ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے وہ انہیں زمین میں ضرور خلافت سے نوازے گا جیسا اس نے ان سے پہلے لوگوں کو زمینی حکومت عطا کی''۔

قرآن مجید کی اس آیت نور میں استخلاف فی الارض کا نکتہ کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ اسلامی نظامِ سیاست میں حکومت اور اقتدار میں ''استخلاف فی الارض'' کا اُصول کار فرما ہے اور اسی طرح نظامِ معیشت میں ملکیتِ اموال کو استخلاف فی المال کا درجہ حاصل ہے۔

اس سے مستنبط ہوا کہ نہ تو اسلامی نظام سیاست میں کوئی حکمران روئے زمین پر اپنے آپ کو حاکم مطلق کہلا سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی نظامِ معیشت میں کوئی شخص مطلقاً ملکیت کا دعوی کر سکتا ہے۔ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر محض امین اور نائب ہیں لہذا دونوں مالکِ حقیقی کے حکم کے پابند ہیں اور من مانی کرنے کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں۔

اسلام میں اصرف اور خرچ میں اعتدال کا حکم

جس طرح حصول معاش کے لیے ضروری ہے کہ حاصل کردہ شئ حلال ہو، نہ کہ حرام۔ اسی طرح خرچ کے معاملے میں اعتدال کا حکم فرمایا۔ صرف اور خرچ کا پہلو دو حصوں میں منقسم ہے: ایک کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا

''اور کھاؤ اور پیو اور حدود شکنی نہ کرو''۔

سید ریاض حسین شاہ فرماتے ہیں کہ آیت نے اسلام کا مزاج سکھایا کہ اس میں اعتدال اور توسط ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ افراط و تفریط شیطان کی راہ ہے، کھانے پینے اور لباس پہننے میں اسلام اعتدال ہی کا حکم دیتا ہے لیکن تجمل پسندی ممنوعات سے نہیں بلکہ فکری اور روحانی تسکین کا سامان رکھتی ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ اسراف بری چیز ہے، کسی چیز کی جو حد ہو اس سے آگے بڑھ جانا اسراف ہے۔ جہاں کوئی چیز کم کرنے کا حکم ہو اس کا زیادہ کرنا اور جس کا حکم زیادہ کرنا ہو وہاں کمی کرنا اسراف ہے۔

قرآن مجید نے فضول خرچی سے منع کیا اور فضول خرچ کو شیطان کا بھائی قرار دیا:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ

''اور فضول خرچی میں مال برباد نہ کرو۔ بے شک مال کو فضول اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں''۔

ان ہر دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک یہ کہ ''اسراف'' نہ ہو اور دوسری یہ کہ ''تبذیر'' نہ ہو۔

بنو تمیم کے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے کہا یا رسول ﷺ میں مالدار آدمی ہوں اور اہل و عیال کنبے قبیلے والا ہوں تو مجھے بتائیے کہ میں کیا روش اختیار کروں؟ آپ نے فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ الگ کر، اس سے تو پاک صاف ہو جائے گا۔ اپنے رشتے داروں سے سلوک کر سائل کا حق پہنچاتا رہ اور پڑوسی اور مسکین کا بھی۔ اس نے کہا نبی کریم ﷺ اور تھوڑے الفاظ میں پوری بات سمجھا دیجیے۔ آپ نے فرمایا قرابت داروں مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کر اور بیجا خرچ نہ کر۔ اس نے کہا حسبی اللہ اچھا نبی کریم ﷺ جب میں آپ کے قاصد کو زکوٰۃ ادا کر دوں تو اللہ و رسول کے نزدیک میں بری ہو گیا؟ آپ نے فرمایا ہاں جب تو نے میرے قاصد کو دے دیا تو تو بری ہو گیا اور تیرے لیے اجر ثابت ہو گیا۔ اب جو اسے بدل ڈالے اس کا گناہ اس کے ذمے ہے۔

معلوم ہوا اسلامی روایت باوقار روزی کمانے، روزگار کے حصول اور اقتصادی ترقی اور سماجی خوشحالی کو آگے بڑھانے کے لیے لوگوں کے لیے اپنی فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے جگہیں پیدا کرنے کے امکانات کو تلاش کرنے اور پھیلانے کے لیے ایک عملی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ ایک دوسرے کو دھوکہ نہیں دینا چاہیے۔ تمام انسان اپنے حقوق کی ادائیگی اور ذمہ داریوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہوں گے۔ قرآن پاک نے معیشت کو خیر و فضل سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام معاشی ترقی کو ناپسند نہیں کرتا۔ بلکہ لوگوں اور دوسری مخلوقات کے لیے نیکی اور ان کو تحفظ دیتے ہوئے ایک ایسی دنیا کی ترغیب دیتا ہے جس میں بھوک، غربت، لاقانونیت نہ ہو۔ اس لیے اسلامی مالیاتی نظام نہ صرف اقتصادی تعامل اور تبادلے پر توجہ دیتا ہے بلکہ معاشی رویے کے لیے رہنما اصول بھی پیش کرتا ہے جو اخلاقی معیشت کا مرکز و محور ہے۔

ماحاصل

اسلام کا یہی انقلابی نظامِ معاش ہے جو ظہورِ اسلام کے بعد دنیا میں رائج ہوا اور پوری شان کے ساتھ تیرہ صدیوں تک چلا۔ اس نظام کے زمانے میں انسانوں کو کبھی بھی کوئی بڑا معاشی بحران نہیں پیش آیا۔ تمام لوگوں کے درمیان دولت کی تقسیم اور اس کا توازن قائم رہا۔ مختلف اسلامی حکومتوں کے زمانے میں عوام الناس کی معاشی فارغ البالی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ مسلمان ملکوں کی معاشی بہتری اور دولت کی ریل پیل ہی وہ وجہ ہے جس کی بنیاد پر مشرق کے اسلامی ممالک مغرب کے سرمایہ دار اور استعماری ملکوں کا نشانہ بنے اور آج بھی وہ اس سے نجات نہیں پا سکے ہیں۔

اسلامی نظام میں ہر ملک اور خطہ کے لوگوں کو مقامی سطح پر معاش اور رزق کے ذرائع مہیا تھے اور انہیں اس کے لیے نقلِ مکانی کی ضرورت کم ہی پڑتی تھی لیکن آج دنیا میں سب سے زیادہ نقلِ مکانی معاشی ضرورتوں کی بنیاد پر ہو رہی ہے اور لاکھوں افراد ادھر سے ادھر منتقل ہو رہے ہیں۔ بے جا معاشی ضروریات کی وجہ سے لوگ زندگی کے حقیقی آرام سے محروم اور ترفہ و عیش کے سامانوں کی کثرت کے باوجود ذہنی سکون کی دولت سے نا آشنا ہیں۔

مغربی نظام سے دولت کی بے جا ہوس لوگوں کے دلوں میں پیدا کر رکھی ہے اور دنیا کی چمک دمک دکھا کر لوگوں کو ہر جائز و ناجائز ذرائع سے دولت کمانے پر اکسا رہا ہے۔ مغرب نے مشین ایجاد کر کے ملک کے مال دار ایک معمولی طبقہ کو ساری دولت کا مالک بنا دیا اور بقیہ پورے معاشرہ کو اس کا نوکر۔ ایک شخص جس کے پاس بے انتہا دولت ہے وہ فیکٹری لگاتا ہے اور پوری قوم اس کے یہاں نوکری کرتی ہے۔ عوام الناس اپنی محنت سے جو سامان تیار کرتے ہیں، اس کے منافع کا بڑا حصہ خود ایک مالک کے ہاتھ چلا جاتا ہے اور اس کا ایک معمولی ٹکڑا معاشرے کے ایک بڑے حصہ میں تقسیم ہوتا ہے جو اس کی محنت کا عُشرِ عَشیر بھی نہیں ہوتا۔

اسلامی معاشرہ میں عام پبلک اور حکمرانوں کے درمیان سیاسی اختیارات کے سوا اور کسی حیثیت سے

زیادہ فرق نہیں تھا۔ایک عام شخص کے جو شہری حقوق ہوتے تھے، وہی بڑے سے بڑے عہدہ دار کے ہوتے تھے۔ سرکاری خزانوں سے وزیروں اور گورنروں کو اتنا ہی حصہ ملتا جتنا عام شہریوں کو۔یہی وجہ تھی کہ ملک کی دولت معاشرہ کے تمام افراد تک یکساں پہنچتی تھی اور ہر طرف خوش حالی کا دور دورہ تھا؛ چناں چہ عرب میں یہ حال پیدا ہوگیا کہ شہروں میں لوگ صدقات کی رقمیں لیے پھرتے تھے اور کوئی اسے لینے والا نہیں ملتا تھا۔ (جاری ہے)

استفادہ:

القرآن (ترجمہ: سید ریاض حسین شاہ)

کتب احادیث

تفسیر ابن کثیر

تفسیر تبصرہ

سیرۃُ الرسول ﷺ کی اِقتصادی اَہمیت

https://en.wikipedia.org/wiki

Gro_Harlem_Brundtland

http://www.iisd.org/topic

sustainable-development

www.un.org/development/desa

disabilities/envision2030

بقیہ: خود احتسابی

گہرائی میں جائیں اور غور و فکر کے دریچے وا کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم میں سے اکثریت کریکٹر بلڈنگ کی بجائے امیج بلڈنگ پر اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہی ہے اوپر سے وقت کا جبر یہ کہ ہمارے معاشرے کا وہ اہلِ بصیرت اور اہلِ فکر طبقہ جس کی یہ بنیادی ذمہ داری تھی کہ وہ اس آگاہی مہم میں اپنا کردار اور رول ادا کرتا اور یہ بتایا جاتا کہ کیریکٹر اور امیج (Character and Image) دونوں مختلف چیزیں ہیں ۔ اگر آپ مضبوط کریکٹر کے حامل ہیں تو بلاشبہ آپ کا امیج آپ کے قد سے بڑا نظر آئے گا لیکن ہوتا یہ ہے آپ صرف اپنا امیج بڑھانے پر اپنی ساری توانائیاں خرچ کر رہے ہیں اور کریکٹر پر کوئی توجہ نہیں دے رہے۔تو پھر اس کی کوئی گارنٹی نہیں کہ سماج آپ کو وہ عزت دے جو ایک با کردار انسان کا مقدر بنتی ہے وہ بھی یہاں اپنی ذمہ داریوں سے غافل دکھائی دیتا ہے اور قحط الرجال میں برابر کا شریک دکھائی دیتا ہے۔انگریزی کا ایک محاورہ کہیں سے پڑھا تھا:

When wealth is lost , nothing is lost,when health is lost something is lost, when Character is lost all is lost.

قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”پڑھ اپنے نامۂ اعمال کو آج کے دن اپنے احتساب کے لیے تو خود ہی کافی ہے“۔

(سپارہ:15 سورۃ بنی اسرائیل آیت:14)

(تذکرہ سے ماخوذ)

بدقسمتی یہ ہے کہ ہم صرف اپنے لیے ہی سوچتے ہیں دوسروں کے لیے نہیں اپنی غرض، اپنے نفع و نقصان کے خول میں بند ہیں۔

آیئے! خود پہل کریں۔ بارش کا پہلا قطرہ ہم بھی بن سکتے ہیں۔ خود کو برائیوں سے پاک کرنے کی کوشش کریں اور سماج میں اپنا مقام بنائیں۔۔۔!

اور یہ یاد رکھیں کہ یہ زندگی عطیہ خداوندی ہے اور قوم کی امانت بھی۔اس میں خیانت ہرگز نہ کریں ورنہ روزِ محشر جواب تو اپنا اپنا ہر کسی کو دینا ہی ہوگا۔

مناجات و مسامرہ

اللہ سے مانگنا، اس کے سامنے گڑگڑانا اور دردمندانہ طرز میں اللہ کے سامنے اپنی ٹوٹی ہوئی حالت رکھ دینا۔خلوص سے اللہ کی توجہ چاہنا۔اس کی نظر کا التماس دل میں رکھنا۔خود کلامی کے انداز میں اللہ سے باتیں کرنا۔رحمت کے دروازے کھولتا ہے۔مسامرہ صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ روحیں چپکے چپکے مناجات اور اللہ کی حمد سرائی میں مشغول رہیں اور دل کو باطن کا لطیف سا ادراک ہو۔مسامرہ ایسی پوشیدہ مناجات ہوتی ہے جس سے روح قلب کی رفاقت کے بغیر لطف اندوز ہوتی ہے۔دعا، مناجات اور مسامرہ ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: ڈاکٹر محمد سلیم شیخوپورہ